



حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل (نے) منہای تھا  
مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے والے ایک سٹے فرقتے کی بنیاد  
سے متعلق برطانوی جاسوس

## ہمفرے کے اعترافات

عبدالوہاب نجدی کو کون تھا؟؟؟  
عبدالوہاب نجدی کو کس نے عالم اسلام میں فتنہ برپا کرنے پر آمادہ کیا؟؟؟  
ایک ایسا واقعہ جو انگریزوں کی ذہنیہ کو ظاہر کرتا ہے!!!  
ایک ایسی تحریر جسے جھٹلاتا ناممکن ہے!!!  
ایک ایسا اعتراف جو حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے!!!  
ایک ایسی سازش جس سے ہر مسلمان کا باخبر و ماضوری ہے!!!  
.....ناشر.....

### جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	انگریز کے اعتراضات
تصحیح	ساجد ادریس جعفر مرزا انگریزی
صفحات	112
کیوزنگ	ایم نعمان الطہر
ناشر	
قیمت	75 روپے



ملنے کا پتہ

### تمہید

#### عجم ہنوز ندانند رموز دیں ورتہ

ختم خداوندی کی تعمیل سے انکار ہے۔۔۔ اسے لعل کا طوق پہنا دیا گیا اور ہتھیلوں میں رکھ لیا گیا۔۔۔ یہ لٹکے تھابھی معلوم لاکھ رہا۔۔۔ لیکن اب ملوں و مردوں سے۔۔۔ اس کا دوی تھا کہ آدم اس سے بڑھ نہیں۔۔۔ لہذا کیوں اُن کی تعلیم کرے۔۔۔ اس ناظر ہائی پر مردوں کے انہماق تو نہیں کھانے کا۔۔۔ "ہیں ضرور دلا دلاؤ ہم کو گمراہ کروں گا"۔۔۔ خالق کائنات نے ہولنا آدم کو آگاہ کر دیا کہ اسے دوست بنائے گا۔۔۔ وہ بھڑکی ہوئی آگ کا اچھٹن بنے گا۔۔۔ چنانچہ اللہ نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنی نور سائنس کو حید کے ساتھ کمر بستہ ہو گیا۔۔۔ کبھی نمرود کی صورت میں حلف آرام ہوا تو کبھی فرعون کی شکل میں معرکہ آوار رہا۔۔۔ ولادت خاتم الانبیاء ﷺ کے موقع پر چلا کر رویا۔۔۔ پھر ابوجہل کا ام لواء بن گیا اور ضرورت پڑنے پر "شیخ نجدی" بن کر مئی اگر ﷺ کے خلاف منصوبہ سازی میں شریک ہوا۔۔۔ مدینہ طیبہ میں عبداللہ ابن ابی کی حوصلہ افزائی کے علاوہ منافقین کا ساتھ دیتا رہا۔۔۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہلے چٹا ڈرتا۔۔۔ کیونکہ آپ کو حید جہر میں کے مقابلے میں کو حید اللہ کی کا پر چار کرنے والے منافقین کو کافی التا کر کے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے۔۔۔ آخر کار جب اس لعین کو موت ملا تو پتہ چل گیا۔۔۔ اور کمر ملا کے میدان میں گستان نبوت پر "انصاری حید" کہتا: "داؤٹ پڑا"۔۔۔ لیکن میرے سینے عالیہ اسلام۔۔۔ جو عظمیٰ کریم ﷺ کی گود میں کھینے رہے۔۔۔ جو سردار نبوت ﷺ کے شانوں پر سوار رہے۔۔۔ اور مرتاج رسالت ﷺ کی پشت مبارک پر تشریف فرما رہے۔۔۔ شریعت مصلوہی کی حفاظت کے لیے نہر آزا ہوئے۔۔۔ اور پریذیت کو ناک میں ملا دیا۔۔۔ دنیا والوں نے "البحسین حسنی" کے نظارے دیکھے تھے۔۔۔ لیکن اب "المناسن الحسنین"

کے منظر دکھائی دیئے تو سامانِ فطرتِ حیرت کی دنیا میں گم ہو گیا۔۔۔۔۔

وقت گزرتا رہا۔۔۔ مسلمان امن و سکون کے ساتھ اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے۔۔۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی الامت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار رہیں ایمان جاکر و غالب رہے۔۔۔ عروج کے یہ سلسلے اٹلیس کو بھلا کب گوارا تھے؟۔۔۔ میدانِ کربلا میں شکست کھائی۔۔۔ و شیطان پر یہ بیت کے زہر میں بکھر چکا تھا۔۔۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر اٹلیس نے بیشتر اہل اسلام و مسلمانوں کے ایمان پر شبِ خون مارنے کے لیے سر اٹھانے لگا۔۔۔ اہلِ کار و دانش بھی ہوشیار ہو گئے۔۔۔ "عروفِ برطانوی جاسوس" "ہمفری" اور فرنگ و اٹلیس کی قیادت میں نجد سے اٹھنے والے ایک گروہ نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا تو انہوں نے صدائے احتجاجِ بلند کی۔۔۔ لیکن اٹلیس کا شوق جاری رہا۔۔۔ وقت آن پہنچا تھا کہ حکمِ تعلیم کی نافرمانی پر سزا ملنے کا رد عمل ظاہر کیا جائے۔۔۔ چنانچہ اس نے اپنے نجدی دوستوں کے ذریعے تعلیم کے ہر اس نشان کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔۔۔ جس کی عقمت مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد پر۔۔۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں اور صالحین کے آثار و آثار کو جو وہ دھمک کر ختم کیا گیا۔۔۔ اپنے آباؤ اجداد کے بتوں کو بدعت کا رد کرتے ہوئے کر چھوڑنے والوں نے پیکران تو حید پر حیا و سوز الزامات چسپاں کیے۔۔۔ اور اس اٹلیسی سہارے کے ذریعے اپنا دائرہ کار پھیلاتے چلے گئے۔۔۔ یہ صغیر میں اٹلیسی تو حید کے جراثیم پھیلنے والے نظرِ اضطراب میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوم کو ہر ممکن طریقے سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔۔۔ چنانچہ قبائل نے اٹلیس کے مشن کو ان الفاظ میں بیان کیا۔۔۔

وہ فائدہ بخش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا  
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو  
فکر عرب کو دے کر فرنگی تحفیات  
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

پھر مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا مطالبہ کیا گیا تو اٹلیس کے ماننے والے یہاں بھی سرگرم عمل رہے۔۔۔ ورنہ اقبال کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی:

ہم جو نہ اندازِ دیوانہ دہیا ورنہ  
دیکھتے حسینِ احمد ایسا چہ بولہوشی است  
سرورِ برسرِ منبر کہ ملت از وطن است  
چہ بے غرض مقامِ محمد ﷺ عربی است  
بعضطی ہر ساسِ خویش را کہ دہیا ہمہ اوست  
اگر یہ اوز سیدی ختام اٹلیس است

(یعنی مجھی لوگ دین کی رحمتیں ابھی تک نہیں سمجھ پائے ورنہ حسین احمد (یہ بندہ) اسے یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ برسرِ منبر وہ کہتا ہے: "تو میں اوطانِ سنہ نبیؐ ہوں" محمد عربی ﷺ کے مقام سے کتنا بے خبر ہے؟ اپنے آپ کو بعضی کہتے ہیں کہ یہ بچا ہے کہ دین اسی چیز کا نام ہے اور اگر ان تک نہیں پہنچا تو تمام کی تمام ابلیس ہے۔ لیکن

اہل حق غالب رہے اور اٹلیس کے حامی ناکام ہو گئے۔۔۔ لیکن تو حید جبریل پر اٹلیسی تو حید کا حملہ مسلسل جاری ہے۔۔۔ آئیے اہم کسی کی طرف توجہ دیکھتے۔۔۔ لیکن انعامِ اہل کی راہِ ضرور مانگتے ہیں۔۔۔ لہذا ان کی پیروی اختیار کیجئے جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ صلِ مائے کا انعام ہوا ہے۔۔۔ جو ذاتِ صالح بخشِ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔۔۔ جو دائرہ ان الدین بخشِ رحمت اللہ علیہ کے نام سے معروف ہیں۔۔۔ جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔۔۔ جو قبیلہ عالم حضرت خولہؓ کو رحمہمہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔۔۔ جو قبیلہ عالم حضرت خولہؓ کا نام رسولِ توکیدی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔۔۔ جو میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہیں اور جو ختم کرنا والے رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔۔۔۔۔

اللہ جبار وک و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں سچے انعام والے عطاء کیے اور پھر ان کی شکت اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ لہذا حکم ماننے والے۔ تنظیم کرنے والے۔ اور۔۔۔ طاقت کرنے والے۔۔۔ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انعام والے بن رہے ہیں۔۔۔ انہی انعام والوں میں میرے مختصر یہ طریقہ حاشی انعام ہندوستانی برکاتی وامت برکاتیم العالیہ (خلیفہ مجاز حضرت کرناں والے) شامل ہیں۔۔۔ جن کا شمار شد امیر شیخ الشارک بابا جی سید میر علی شاہ بخاری وامت برکاتیم العالیہ کے نہیں انعام یا لشکران میں ہوتا ہے۔۔۔ سلسلہ تبلیغ و تربیت میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

والسلام یعنی یوم النبیام

ملک شام اللہ کو ان

انڈینز "جملہ حضرت کرناں والا"

الحرم المحرم ۱۴۳۶ھ ۱۴ جمادی

سوموار ۲۱ فروری ۲۰۱۵ء

### حوالہ جات

(۱) سورۃ اعراف: ۱۸۱

(۲) سورۃ الحج: ۳

(۳) روض الافان، از علامہ ابن القاسم، پہلی جلد اول، صفحہ ۱۸۱

(۴) نگارشات محمد علی از مونا محمد علی جوہر ص ۳۶ تاریخ فتح و جہاز ص ۲۳

(۵) ضربہ حکیم، تنظیم الامت، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ص ۱۰۸

(۶) ضربہ حکیم، تنظیم الامت، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ص ۱۶۶

(۷) سورۃ النبی: ۱۰۱-۵

(۸) سورۃ فتح: ۱۹

### مہمے نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ

ملاقاتوں حکومت برطانویا اپنی تنظیم نوآبادیوں کے بارے میں فکر مند رہی اور اس کی سلطنت کی حدود نے اتنی وسعت اختیار کی کہ اب وہاں سورج بھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بعد ویتنام، چین اور مشرق وسطیٰ کے ممالک اور دیگر بڑے نوآبادیوں کے ہوتے ہوئے بھی بڑی بڑی برطانیہ بہت چھوٹا لگتا تھا۔ حکومت برطانیہ کی سامراجی پالیسی بھی ہر ملک میں یکساں نوعیت کی نہیں ہے۔ بعض ممالک میں عدنان حکومت ظاہر ہواں کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن درپردہ پور سامراجی نظام کا فرما رہا ہے اور اب یہ میں کوئی کسر باقی نہیں ہے کہ وہ ممالک اپنی ظاہری آزادی کو برطانیہ کی گود میں چلے آئیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے نوآبادیاتی نظام پر بغیر ٹالی کریں اور خاص طور سے دو باتوں پر غور کریں۔

(۱) ایسی تدابیر اختیار کریں جو سلطنت کی نوآبادیوں میں اس کے مکمل دخل انداز ہونے کو مستحکم کریں۔

(۲) ایسے پروگرام مرتب کریں جن سے ان علاقوں پر ہمارا اثر و رسوخ قائم ہو جو ابھی ہماری نوآبادیاتی نظام کو شکارت نہیں ہوئے ہیں۔

انگلستان کی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مذکورہ پروگراموں کو وہی عمل لانے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ وہ نوآبادیاتی یا نیم نوآبادیاتی علاقوں میں جاسوسی اور حصول اطلاعات کے لیے دفنہ روا کرے۔ میں نے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت میں ملازمت کے شروع ہی سے صحن کار کردگی کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے امور کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں اچھی کارکردگی نے مجھے وزارت خزانہ میں ایک اچھے عہدے پر فائز کیا۔ یہ کمپنی بظاہر تجارتی نوعیت کی تھی مگر حقیقت میں جاسوسی کا اڈا تھا اور اس کے قیام کا مقصد ہندوستان میں ان صورتوں یا ان راستوں کی تلاش تھی جن کے ذریعے اس سر زمین پر مکمل طور پر برطانیہ کا اثر و رسوخ قائم ہو سکے اور مشرق وسطیٰ

پراس کی گرفت مضبوط کی جائے۔

ان دنوں انگلستان کی حکومت ہندوستان سے بڑی مطمئن اور بے فرتی کیونکہ قومی، تعلیمی اور ثقافتی اختلافات مشرق وسطیٰ کے رہنے والوں کو اس بات کی فرصت ہی کہاں رہنے دیتے تھے کہ وہ انگلستان کے جائز دائرہ رسوخ کے خلاف کوئی شورش برپا کر سکیں۔ یہی حال انگلینڈ کی سرزمین کا بھی تھا۔ بدھ اور کثیوشس جیسے مرد مذہب کے پیروکاروں کی طرف سے بھی انگریزوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا اور ہندو چین میں کثرت سے باہمی اختلافات کے پیش نظر یہ بات بے فرتی قیاس تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی آزادی اور استقلال کی فکر ہو۔ لیکن وہ ایک موضوع تھا جو کبھی ان کے لیے قابل توجہ نہیں رہا۔ تاہم یہ سوچنا بھی غیر دانشمندی ہے کہ آئندہ کے پیش نظر انھذا بات بھی ان قوموں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتے۔ پس یہ بات سامنے آئی کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے ان قوموں میں بیداری کی صلاحیت متوقد ہو جائے۔ یہ تدابیر طویل الیاد پر مگر انہوں کی صورت میں ان سرزمینوں پر جاری ہوئے جو تمام کے تمام افتراق، جہالت، بیماری اور غربت کی بنیاد پر استوار تھے۔ ہم نے ان طباقوں کے لوگوں پر ان معیبتوں اور بد بختیوں کو دہرے کر کے بدھ مت کی اس ضرب النمل کو اپنا بائیس میں کہا گیا ہے۔

”بیمار کو اس کے خال پر چھوڑ دو اور ہر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو

بلا خروہ و دلاوری نہ رواہت کے باوجود پسند کر لے گی گاہ“

ہم نے باوجود اس کے کہ اسے دوسرے بیمار یعنی سلطنت عثمانی سے کسی قرار دہوں پر اپنے فائدہ میں دیکھا کر والیے تاہم نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے دہرینا کا کہنا تھا کہ ایک صدی کے اندر ہی اس سلطنت کا پلہ بیٹھ سکتا ہے۔ ہم نے اسی طرح ایران کے توہم اثر سرگرم عمل رہے اور باوجود اس کے نظام کو کچا کر دشت ستابی نام کر دی، بادشاہوں کے لیے پیش و پشت کے سامان فراہم کیے اور اس طرح ان حکومتوں کی بنیادوں

کو کسی حد تک پہلے سے زیادہ متزلزل کیا تاہم عثمانی اور ایرانی سلطنتوں کی کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے بھی ایل ملل جان کی جانے والی بعض وجوہات کی بناء پر ہم اپنے حق میں کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے اور وہ اہم ترین وجوہات یہ تھیں۔

(۱) لوگوں میں اسلام کی حقیقی روح کا اثر و نفوذ جس نے انھیں بہادر، بہنے پاک اور پر عزم بنا دیا تھا اور یہ کہن ہے جانہ ہو گا کہ ایک عام مسلمان، مذہبی بنیادوں پر ایک پاروی کا ہم ملہ تھا۔ یہ لوگ کسی صورت میں بھی اپنے مذہب سے دستبردار نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں شیعہ مذہب کے بھرے کارشن کا تعلق ایران کی سرزمین سے ہے، عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے زیادہ متشکم اور زیادہ خطرناک واقع ہوئے ہیں۔

شیعہ دھرت عیسائیوں کو جس اور کافر مطمئن سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک عیسائی ایسی مشغول غلامت کی حیثیت رکھتا ہے جسے اپنے درمیان سے ہٹانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک شیعہ سے پوچھا:

”تم لوگ نصاریٰ کو خدایت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہو حالانکہ وہ

لوگ خدا رسول اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں“

ان نے جواب دیا: ”حضرت محمد ﷺ صاحب علم اور صاحب حکمت تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس انداز سے کافروں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ دین اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔“

”یہاں سید ان میں بھی جب کبھی حکمتوں کو کسی فرد یا گروہ سے نکالنا ہوتا ہے تو وہ اپنی حریف پر سختیاں کرتی ہیں اور اسے راستے سے ہٹنے پر مجبور کرتی ہیں تاکہ بلا خروہ اپنی مخالفتوں سے باز آجائے اور اپنا سر تسلیم خم کر دے۔ عیسائیوں کے نفس اور ناپاک ہونے سے مراد ان کی ظاہری ناپاکی نہیں بلکہ باطنی ناپاکی ہے اور یہ بات صرف عیسائیوں ہی تک



مرد و عورتیں ہے لہذا اس میں مرد و عورتیں بھی شامل ہیں جو قوی اعتبار سے ایرانی ہیں، اسلام اس شخص بھی 'ایچ پاک' سمجھتا ہے۔

میں نے کہا: "اچھا اگر عیسائی تو خدا اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس نے جواب دیا:

"ہمارے پاس انہیں کا فرد نہیں مگر دین کے لیے دو نہیں ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو خدا ماننے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد ﷺ جھوٹے ہیں۔ ہم بھی ان کے جواب کہتے ہیں کہ تم لوگ ناپاک اور نہیں ہو اور یہ تعالیٰ عقل کی بنیاد پر ہے۔" کہنا کہ "جو تمہیں دکھ پہنچائے تم بھی اسے تکلیف دو۔"

دوسرے یہ کہ عیسائی انبیاء و مرسلین پر جھوٹی فتویٰ لکھتے ہیں جو خود ایک بڑا گناہ اور ان کی بے حرمتی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) شراب پیتے تھے، اس لیے لعنت الہی میں گرفتار ہوئے اور انہیں مولیٰ دی گئی۔"

مجھے اس بات پر بڑا ناگوار ملا اور میں نے کہا:

"عیسائی ہرگز ایسا نہیں کہتے۔"

اس نے کہا:

تم نہیں جانتے "مکتب مقدس" میں یہ تمام فتویٰ وارد ہیں۔"

اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور مجھے یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اگرچہ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے بغیر اسلام پر جھوٹ کی نسبت کی ہے لیکن میں اس سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں میرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور لوگ میری اصلیت سے واقف نہ ہو جائیں۔

(۲) مذہب اسلام تاریخی دلائل و نظریوں کی بنیاد پر ایک حریت پسند مذہب ہے اور اسلام کے سچے پیروکار آسمانی کے ساتھ عوامی قول نہیں کرتے۔ ان کے پورے وجود میں

گزشتہ غلطیوں کا غور کیا ہوا ہے یہاں تک کہ اپنے اس ناتوانی اور پروردگار میں بھی وہ اس سے دستبردار ہوئے۔ پر تیار نہیں تھا۔ ہم اس بات پر قائل نہیں ہیں کہ تاریخ اسلام کی بنیادی تفسیر پیش کر کے انہیں یہ بتائیں کہ تمہاری گزشتہ غلطیوں کی کامیابی ان حالات پر منحصر تھی جو اس زمانے کا تقاضا تھا مگر اب زمانہ بدل چکا ہے اور نئے تقاضوں نے ان کی جگہ لے لی ہے اور اب گزشتہ دور میں واپسی ناممکن ہے۔

(۳) ام ایرانی اور عثمانی حکومتوں کی دور اندیشیوں اور شیاریوں اور کراہتوں سے محفوظ نہیں تھے اور ہر آن یہ کھٹک رہتا تھا کہ کہیں وہ ہماری سامراجی پالیسی سے باخبر ہو کر ہمارے لیے دھرم پر پائی نہ پھیر دیں۔ یہ دونوں حکومتیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بہت کمزور ہو چکی تھیں اور ان کا اثر و رسوخ صرف اپنی سر زمین کی حد تک محدود تھا۔ وہ صرف اپنے ہی علاقے میں ہمارے خلاف اطوار پیرہتے کر سکتے تھے تاہم ان کی بدگمانی ہماری آئندہ کامیابیوں کے لیے عہدِ حاضر میں ان کا سبب تھی۔

(۴) مسلمان عوام بھی ہماری تشویش کا باعث تھے۔ جامعہ ملازہر کے علما اور امیران و عراق کے شیعہ مراجع ہمارے سامراجی مقاصد کی راہ میں ایک عظیم رکاوٹ تھے۔ یہ عوام جدید علم و تمدن اور نئے حالات سے یکسر بے خبر تھے اور ان کی انتہا توجہ اس جنت کے لیے تھی جس کا وعدہ قرآن نے انہیں دے رکھا تھا۔ لوگ اس قدر متصب تھے کہ اپنے سوا کف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ بادشاہ اور امرا اہلسنت تمام افراد ان کے آگے چھوٹے تھے۔ اہل سنت حضرت شیعہوں کی نسبت اپنے علماء سے اس قدر خوفزدہ نہیں تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عثمانی سلطنت میں بادشاہ اور شیخ الاسلام کے درمیان ہمیشہ خوشگوار تعلقات برقرار رہے تھے اور عوام کا احترام کرتے تھے۔ مذہبی علماء سے ان کا لگاؤ ایک تعلقی لگاؤ تھا لیکن حکام یا مسلمان کو وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ہر حال مسلمان اور علماء کی قدر دانی سے متعلق شیعہ اور سنی نظریات کا یہ فرق تو آریابی علاقوں کی وزارت اور انگریزی حکومت کی شورش میں کمی کا باعث نہیں تھا۔

ہم نے کئی بار ان مذاکرات کے ساتھ آپس کی چوچہ و دھواڑیوں کو دور کرنے کے مسئلے میں کنگوئی لیگن ہمیشہ ہماری گفتگو نے بدگمانی کی صورت اختیار کی اور ہم نے اپنا راستہ بند پایا۔ ہمارے جاسویوں اور سیاہی کارکنوں کی درخواستیں بھی ساقط مذاکرات کی طرح بری طرح ناکام رہیں لیکن پھر بھی ہم ناامید نہیں ہوئے کیونکہ ہم ایک مضبوط اور برٹیش ٹیلیگراف کے مالک ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ نو آبادیاتی علاقوں کے وزیر نے لندن کے ایک مشہور پادری اور ۲۵ دیگر مذہبی سربراہوں کے ساتھ ایک اجلاس منعقد کیا جو پورے تین مہینے تک جاری رہا اور جب یہاں بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو پادری نے حاضرین سے خطاب ہو کر کہا:

”آپ لوگ اپنی جہتیں بہت نہ کریں، صبر اور غوصلہ سے کام لیں، عیسائیت تین سو سال کی ریتوں اور درہم کی ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کی شہادت کے بعد جاگ رہی ہوگی، ممکن ہے آئندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر عنایت ہم پر ہو اور ہم تین سو سال بعد کافروں کو نکالنے میں کامیاب ہوں۔ پس ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو کچھ ایمان اور پائیدار صبر سے مزین کریں اور ان تمام وسائل کو بروئے کار لائیں جو مسلمان شلوں میں عیسائیت کی ترویج کا سبب ہوں۔ اور اس میں ہم صدیوں کا عرصہ بھی گزر جائے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آواز ابداد اپنی اولاد کے لیے جگہ ہوتے ہیں۔“

ایک دن پھر نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت میں روس، فرانس اور برطانیہ کے اعلیٰ نمائندوں نے پرتگیزی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کانفرنس کے شرکاء میں سیاسی و فوجی شخصیات اور دیگر مشہور شخصیات شامل تھیں۔ حسن اتفاق سے میں بھی وزیر سے قریبی تعلقات کی بنا پر اس کانفرنس میں شریک تھا۔ موضوع گفتگو اسلامی ہمارک میں سامراجی نظام کی ترویج اور اس میں پیش آنے والی دشواریاں تھیں۔

شرکاء کا نور و فکر اس بات میں تھا کہ ہم کس طرح مسلم طاقتوں کو درہم برہم کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان فتنے کا بیج ہوتے ہیں۔ گفتگو ان کے ایمان کے تحلیل کے سلسلے میں تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اسی طرح راہ راست پر لایا جاسکتا ہے جس طرح انہیں کئی صدیوں کے بعد عیسائیوں کی آغوش میں چلا آ چکا۔ کیا یہ وہی ملک نہیں تھا جسے فتنی مسلمانوں نے فتح کیا تھا؟ کانفرنس کے نتائج زیادہ واضح نہیں تھے۔ میں نے اس کانفرنس میں پیش آنے والے تمام واقعات کو اپنی کتاب ”عظیم سیاح کی ست ایک پرواز“ میں بیان کر دیا ہے۔

حقیقتاً مشرق سے مغرب تک پھیلا کر سکتے والے عظیم اور نثار و درخت کی جڑوں کو کاٹنا اتنا آسان کام نہیں۔ پھر بھی میں ہر قیمت پر ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ عیسائی مذہب ابھی وقت کا مایاب ہو سکتا ہے جب ساری دنیا اس کے قبضے میں آ جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سچے پیروکاروں کو اس جہانگیری کی بشارت دی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی کامیابی ان اپنی اور تاریخی حالات سے وابستہ تھی جو اس دور کا تقاضا تھا۔ ایران و روم سے وابستہ مشرق و مغرب کی سلطنتوں کا انحطاط و زوال بہت کم عرصے میں حضرت محمد ﷺ کی کامیابی کا سبب بنا۔ مسلمانوں نے ان عظیم سلطنتوں کو زیر کیا مگر اب حالات بالکل مختلف ہو چکے ہیں اور اسلامی ممالک بڑی تیزی سے زوال پاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں عیسائی روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اب دو وقت آگیا ہے کہ عیسائی مسلمانوں سے اپنا بدلہ چکانیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کریں۔ ان وقت سب سے بڑی عیسائی حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں ہے جو دنیا کے طول و عرض میں اپنا سکہ ہٹانے ہوئے ہے اور اب چاہتا ہے کہ اسلامی مملکتوں سے نبرد آزما کر یہم بھی اسی کے ہاتھ میں ہو۔

میں نے ادیشا، انگلستان کی نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے مصر، عراق، ایران، جاپان اور ان کے مرکز اجنبول (آج کا اقبول) اس وقت کا تنظیمی تھا) کی جاسوسی پر



ماہر کیا۔ لیکن ان علاقوں میں دورا ہیں تلاش کرنی تھیں جن سے مسلمانوں کو رسم برہم کر کے مسلم ممالک میں سامراجی نظام رائج کیا جاسکے۔ میرے ساتھ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نوادر بہترین تجربہ کار جاسوس اسلامی ممالک میں اس کام پر مامور تھے اور بڑی تندی سے انگریز سامراجی نظام کے تشدد اور نو آبادیاتی علاقوں میں اپنے اثرات کو بے شکام کے لیے سرگرم عمل تھی۔ ان نواد کو خاطر مقدار میں سرمایہ فراہم کیا گیا تھا۔ یہ لوگ ہاتھ مہربان شدہ نالائقی اور بالکل نئی اور نازہ اطلاعات سے بہرہ مند تھے۔ ان کو امراء و دربار، حکومت سے اعلیٰ عہدہ داروں اور علماء و رؤساء کے ناموں کی مکمل فہرست دی گئی تھی۔ نو آبادیاتی علاقوں کے معاون و ذریعے ہمیں روانہ کرتے ہوئے خدا بخشی کے وقت جو بات کہی وہ آج بھی مجھے اسی طرح یاد ہے۔ اس نے کہا تھا:

”تمہاری کامیابی تمہارے ملک کے مستقبل کی آئینہ دار ہوگی لہذا اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاؤ تاکہ کامیابی تمہارے قدم چومے۔“

میں خوش خوشی بھری جہاز کے ذریعے ایشیاء کے لیے روانہ ہوا۔ میرے ذمے اب دو اہم کام تھے۔ پہلے ترکی زبان پر عبور حاصل کرنا جو ان دنوں وہاں کی قومی زبان تھی۔ میں نے لندن میں ترکی زبان کے چند الفاظ سیکھ لیے تھے۔ اس کے بعد مجھے ترکی زبان، قرآن، اس کی تفسیر اور پھر فارسی سیکھنا تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی زبان کو سیکھنا اور بولنا تو اہل فصاحت اور مہارت کے اعتبار سے اس پر چوبیس درجہ مختلف ہوتا ہے۔ مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ میں ان زبانوں میں ایسی مہارت حاصل کروں کہ مجھے میں اور وہاں کے لوگوں میں زبان کے اعتبار سے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ کئی زبان کو ایک دو سال میں سیکھا جاتا ہے لیکن اس پر عبور حاصل کرنے کے لیے برسوں کا وقت درکار ہوتا ہے۔ میں اس بات پر مجبور تھا کہ ان لیکچر کی زبانوں کو اس طرح سیکھوں کہ اس کے قواعد و رموز کو کوئی لفظ فراموش نہ ہو اور کوئی میرے ترک، ایرانی یا غریب ہونے پر غصہ نہ کرے۔

ان تمام مشکلات کے باوجود میں اپنی کامیابی کے لحاظ میں ہر اس بات کو نہیں تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی طبیعت سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ ان کی کشمکش و فتنہ میں نہیں اور میں ان کو از طبیعت جو ان کی قرآن و سنت سے ورثے میں ملی تھی اس میں جیسائیوں کی طرح بدگمانی اور بد چینی پر محمول نہیں کرنے کی اور پھر دوسری طرف سے عثمانی حکومت ان کی کمزوریوں کی بجائے اس کے پاس انگلستان اور غیر ملکی جاسوسوں کی کاروائیاں معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں تھا جو حکومت کو ان نامطلوب عنصروں سے باخبر رکھ سکے۔ فرمانروا اور اس کے معتمدین ہر سے طور پر کمزور ہو چکے تھے۔

کئی مہینے کے تھکاوے والی سفر کے بعد اترکستان دارالحکومت میں پہنچے۔ جہاز سے اترنے سے پہلے میں نے اپنے لیے ”محمد“ کا نام تجویز کیا اور جب میں شہر کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگوں کے اجتماعات، نظم و ضبط اور صفائی ستھرائی دیکھ کر خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہا: آخر کیوں ہم ان پاک دل افراد کے آداب کے درپے ہیں؟ اور کیوں ان سے ان کی آسائش چھیننے پر تھے ہوئے ہیں؟ کیا حضرت نبی علیہ السلام نے اس قسم کے ناشائستہ امور کی توجہ دی تھی؟ لیکن فوراً ہی میں نے اس خیالی دوسوں اور باطل خیالات کو ذہن سے جھٹک کر استغفار کیا اور مجھے ذیل آداب میں آبرو طایفہ عظمیٰ کی فواید و زیارات کا لازمہ ہوں اور مجھے اپنی فراخ دلی و استغاری سے انتہائی رہنے چاہئیں اور منہ سے لگائے ہوئے سارا کراخری گھونٹ نکال لی جانا ہے۔

شہر میں داخلہ کے فوراً بعد ہی میری ملاقات اہل تشکیلات کی ایک بڑے پیشوا سے ہوئی۔ اس کا نام احمد آفندی تھا وہ ایک برجستہ صاحب فضل اور ایک طبیعت عالم تھا۔ میں نے اپنے پاورپوس میں ایسی بزرگ ہستی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دن رات عبادت میں مشغول رہتا تھا اور بڑی اور بڑی میں حضرت محمد ﷺ کی مانند تھا۔ وہ رسول خدا کو انسانییت کا مظہر کامل سمجھتا تھا اور آپ کی سنت کو اپنی زندگی کا منبع نظر ہائے ہوئے تھا۔ حضرت محمد ﷺ (ﷺ)

۱۸۸۴ء آئے ہی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چھری لگ جاتی تھی۔ شیخ کے ساتھ ملاقات میں میری ایک خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ اس نے مجھ سے ایک دفعہ بھی میرے حسب نسب اور خاندان کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا اور ہمیشہ مجھے محمد آفریدی کے نام سے پکارتا تھا۔ جو کچھ بھی اس سے پوچھتا تھا، بڑے وقار اور شرافت سے جواب دیتا تھا اور مجھے بہت چاہتا تھا۔ خاص طور پر جب اسے معلوم ہو کہ ترکہ میں غریب الوطن ہوں اور اس عثمانی سلطنت کے لیے کھڑ کر رہا ہوں جو قیصر کی چالیں ہے تو مجھ پر اور بھی مہربان ہو گیا (یہ جھوٹ تھا جو میں نے استنبول میں اپنے قیام کی توجہ بیان کرتے ہوئے شیخ کے سامنے بولا تھا)

اس کے علاوہ میں نے شیخ سے یہ بھی کہا تھا کہ میں بن ماں باپ کا ایک نوجوان ہوں، میرے بہن بھائی نہیں ہیں۔ میں بالکل وکیلا ہوں لیکن میرے والدین نے دوش میں میرے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ قرآن اور ترکی اور عربی زبان سیکھنے کے لیے اسام کے مرکز یعنی اسکول کا سفر اختیار کروں اور پھر دینی اور مدنی سربایہ کے چھوٹی کے بعد دینی کا دربار میں بیٹھ لگاؤں۔ شیخ احمد نے مجھے مبارکباد دی اور چند باتیں کہیں جنہیں میں اپنی نوٹ بک سے یہاں نقل کر رہا ہوں۔

۱۔ جو جوان اچھ پر تمہاری پذیرائی اور احترام کی وجوہات کی بنا پر لازم ہے اور وہ

دو ہستہ یہ ہیں:

- (۱) تم ایک مسلمان ہو اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔  
(اَلْمُؤْمِنُونَ بَنُوْا بَعْضُهُمْ اَبْرَآءُ لِّبَعْضٍ)
- (۲) تم ہمارے شہر میں مہمان ہو اور غیر اسلام کا ارشاد ہے: (اَلْغُصْنُ مِمَّا فِی الْغُلْفِ)
- مہمان کو احترام ہے۔
- (۳) تم طالب علم ہو اور اسلام نے طالب علم کے احترام کا حکم دیا ہے تم طلال روزی سنان چاہتے ہو اور اس پر (اَلْحَبِیْبُ سَبَبُ الْاَبْلِی) کا رد ہمارے والدین کا دوست ہے کہ حد یہ حد ملاتی آتی ہے۔

اس پہلی ملاقات ہی میں شیخ نے اپنی خصال کی بنیاد پر مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کاش! یہ ساریت بھی ان آشکار حقیقتوں سے آشنا ہوتی لیکن دوسری طرف میں یہ کچھ رہا تھا کہ اسلامی شریعت اپنی بلند فکری اور بلند مقامی کے باوجود درجہ زوال اور پستی اور اسلامی حکمرانوں کی نالائقی و ظلم و ستم بہت اظہار کی اور پھر کھانے پینے کا تقاضا اور دنیا کے حالات سے آگے بے خبری انہیں یہ دان دکھائی تھی۔ میں نے شیخ سے کہا:

"اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ سے عربی زبان اور قرآن مجید سیکھنے کا خواہش مند ہوں۔"

شیخ نے میری ہمت افزائی کی اور میری خواہش کو مستعمل کیا اور سورہ محمد کو میرے لیے پہلا سبق قرار دیا اور پڑھائی گرنجوشی کے ساتھ آیتوں کی تفسیر دے دیں عربی کی۔ میرے لیے بہت سے عربی الفاظ کے تلفظ و شمار تھے اور کبھی یہ دشواری بہت بڑھ جاتی تھی۔ وہ بار بار مجھ سے کہتا تھا میں عربی عبارت اس طرح تمہیں نہیں سکھادیں گا کہ تمہیں ہر مشکل لفظ کو دس مرتبہ تکرار کرنا ہوگا تاکہ الفاظ تمہارے ذہن میں ہو جائیں۔

شیخ نے مجھے حرف کو ایک دوسرے سے ملانے کے طریقے سکھائے۔ مجھے قرآن کی مجموعہ و تفسیر سیکھنے میں دو سال کا عرصہ لگا۔ دس شروع کرنے سے پہلے وہ خود بھی وضو کرتا تھا اور مجھے بھی وضو کرنے کا حکم دیتا تھا۔ پھر ہم قبلہ رخ بیٹھ جاتے تھے اور دس کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام میں اعضاء کو ایک خاص ترتیب سے دھونے کا نام وضو ہے۔ ابتدا میں منہ دھو لیا جاتا ہے۔ پھر پہلے سیدھے ہاتھ کو انگلیوں اور بعد میں بالے ہاتھ سے کئی تک دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد سر گردن اور کانوں کے پچھلے حصہ کا مسح کیا جاتا ہے اور آخر میں پیر دھوئے جاتے ہیں۔

وضو کرتے وقت کئی کرنا اور انگ میں پانی چڑھانا مستحب ہے۔ آداب وضو پہلے ایک خشک کپڑی سے ہاتھوں کا صفا کرنا جو وہاں کی رسم تھی میرے لیے بہت ناگوار تھی



لہذا اس بہانے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرے اس مسئلہ میں جو بہت سے لوگ ملے، میں نے ان کو مطلع کر دیا اور پھر اس نے شادی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی اور ہماری دوستی پھر پہلی منزل پر آ گئی۔ دو سال اشتغال میں رہنے اور قرآن سمیت عربی اور ترکی زبانوں کو سیکھنے کے بعد میں نے شیخ سے واپس وطن جانے کی اجازت چاہی لیکن شیخ مجھے اجازت نہیں دینا تھا اور کہنا تھا تم اپنی ہماری کیوں واپس جانا چاہتے ہو؟ ایک بڑا شیر ہے۔ یہاں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ رہنا نہایت اچھی اشتغال میں دین اور دنیا دونوں دستیاب ہیں۔ شیخ نے اپنی گفتگو کے دوران کہا:

"اب کچھ تم کہیے جو اور تمہارے دل باپ اور بہن بھائی کوئی نہیں تو پھر تم اشتغال کو اپنا مسکن کیوں نہیں بناتے؟"

بہر حال شیخ کو میرے دل پہنچنے پر بڑا اصرار تھا۔ اسے مجھ سے انس ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس سے بہت دلچسپی تھی مگر اپنے وطن انگلستان کے بارے میں مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد تھیں وہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم تھیں اور مجھے لندن جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ میرے لیے ضرور تھا کہ میں لندن جا کر نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اپنی دو سالہ کارگزاری کی مکمل رپورٹ پیش کروں اور وہاں سے نئے احکامات حاصل کروں۔ اشتغال میں دو سال کی رہائش کے دوران مجھے عثمانی حکومت کے حالات پر بہت ایک رپورٹ لندن بھیجی چلتی تھی۔ میں نے اپنی ایک رپورٹ میں ذکر رہا جو عثمانی کے اس واقعے کو بھی لکھا تھا جو میرے ساتھ فوج کا تھا۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے یہ حکم دیا مگر تمہارے ساتھ جو عثمانی فوجی ہماری لیے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے روانہ کرنا ہے تو اس کام میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے جب یہ صورت پر مبنی تو میرا سر ہلکانے لگا اور میں نے سوچا کہ اگر اس کو سر ہم نہیں آتی کہ وہ حکومت کی مصلحتوں کی خاطر مجھے اس بے شری کی ترغیب دیتے ہیں۔ بہر حال میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اور ہونٹوں سے لگے ہوئے

اس لڑے ہوئے شری کو گت تک پک جانا تھا۔ ہم میں نے اس حکم کو کوئی فائدہ نہیں لیا اور لندن کے اعلیٰ عہدیداروں کی اس بے مہر کی کسمپرسی سے شکایت نہیں کی۔ مجھے اس واقعے کے بارے میں شیخ کی آنکھوں میں آنسو پھرتے اور اس نے مجھ سے ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا۔

"خدا حافظ! میں آنکھیں میوہم سے اب جب تم لوٹ کر آؤ گے تو مجھے اس دنیا میں نہیں پاؤ گے مجھے نہ بھلا نا۔ بھلا اللہ روز جزا پیغمبر اسلام کے حضور ہم ایک دوسرے سے ملیں گے۔"

روحانیت شیخ احمد کی جدائی سے میں ایک عرصہ تک آدرود خاطر رہا اور اس کے غم میں میری آنکھیں آنسو بہاتی رہیں لیکن کیا کیا جا سکتا تھا! فراموشی کی انجام دہی ذاتی احساسات سے ماوراء ہے۔

میرے دیگر ساتھیوں کو بھی لندن واپس بلا لیا گیا تھا مگر بد قسمتی سے ان میں سے صرف باغ واپس آنے باقی ماندہ چار افراد میں سے ایک مسلمان اور دو چرنا اور دو ہیں مہر میں رہائش پذیر تھا۔ اس واقعہ کا نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے ریکارڈ میں نے مجھے بتایا لیکن وہ اس بات سے خوش تھا کہ مذکورہ شخص نے ان کے کسی راز کو افشاء نہیں کیا تھا۔ دوسرا جاسوس روسی تھا اور وہ بھی پہنچ کر اس نے وہیں یوڈو باش اختیار کر لی تھی۔ ریکارڈ میں اس کے بارے میں بڑا مگر مفید تھا۔ اسے کوکا تھا کہ کشمیر کی بڑی بڑا جاسوس جو اپنی سرحد میں پہنچ چکا تھا ہمارے راز فاش نہ کر دے۔ تیسرا شخص بغداد کے قریب واقع "خمارہ" میں رہنے سے ہلاک ہو گیا تھا اور چوتھے کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہ ہو سکتی تھی۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اس کے بارے میں اس وقت تک اطلاع رہی کہ وہ لندن کے پابلیک "سٹریٹ" میں رہتے ہوئے مسلسل ایک سال تک اپنی رازداری میں مذکورہ وزارت کو ہتھیار رہا لیکن اس کے بعد جب کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی تو پھر چند پیش کے باوجود آدھریاتی علاقوں کی وزارت کو اس جاسوس کا کوئی نشان مل نہ سکا۔ حکومت ایک دوسرے جاسوس کی کشمکش کے نتائج سے اچھی طرح باخبر تھی۔ وہ ہر لازم کے کام کی اہمیت کو باریکی سے

ساتھ باجی تھی اور درحقیقت اس طرح کے ملازمین میں سے کسی ملازم کی گمشدگی کی اس سارا جی حکومت کے لیے تشویشناک تھی جو اسلامی ممالک میں خدو چالے اور انہیں زیر کرنے کی آہیں و ان کی تباہی میں مصروف ہو۔

ہمارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جو آبادی کے اعتبار سے کم ہونے کے ساتھ بڑی اہم ذمہ دار ہیں اور چونکہ وہ سبھیاری ہیں اور تجربہ کار افراد کی کمی یقیناً ہمارے لیے شدید نقصان کا باعث تھی۔

سیکریٹری نے میرے آخری رپورٹ کے اہم حصوں کے مطالعہ کے بعد مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت کی جس میں لندن بلائے گئے پانچ جاسوسوں کی رپورٹیں سن جانے والی تھیں۔ اس کانفرنس میں جو وزیر خارجہ کی صدارت میں ہو رہی تھی نو آبادیاتی وزارت کے اعلیٰ عہدہ دار شرکت کر رہے تھے۔ میرے تمام ساتھیوں نے اپنی رپورٹوں کے اہم حصوں کو پڑھ کر سنایا۔ وزیر خزانہ نو آبادیاتی عاقوں کی وزارت کے سیکریٹری اور بعض حاضرین نے میری رپورٹ کو بڑا سراہا۔ تاہم میں ان محاسبہ میں تیسرے نمبر پر تھا۔ دو اور جاسوسوں نے مجھ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا جن میں پہلا جی بکلؤڈ (G. BELCLOUD) اور دوسرا ہنری فانس (HENRY FANSE) تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے ترکی، عربی، جمہوریت قرآن اور اسلامی شریعت میں سب سے زیادہ دھڑس حاصل کی تھی لیکن عثمانی حکومت کے زوال کے سلسلے میں میری رپورٹ زیادہ کامیاب نہیں تھی۔ جب سیکریٹری نے کانفرنس کے اختتام پر میری اس کمزوری کا ذکر کیا تو میں نے کہا:

ان دو سالوں میں میرے لیے دو زبانوں کا سیکھنا، تفسیر قرآن اور اسلامی شریعت سے آشنائی زیادہ اہمیت کی حامل تھی اور دوسرے امور پر توجہ دینے کے لیے میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اگر آپ اب دیکھ سکتے ہیں تو میں یکے بعد دیگرے میں ہوں

مراواں گا۔ سیکریٹری نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اپنے کام میں کامیاب رہے اور میں اصرار کرتے ہیں کہ تم اس راہ میں دوسروں سے باقی رہ جاؤ۔ آئندہ کے لیے تمہیں وہ کام باقیوں کا خیال رکھنا ہے:

(۱) مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی نشاندہی کرو جو ہمیں ان تک پہنچنے اور ان کے تفتیشی کردہ ہوں کے درمیان ان پھٹ ڈالنے میں کامیابی فراہم کرے کیونکہ انہیں پر ہادی کامیابی کارائز ان مسائل کی شناخت پر منحصر ہے۔

(۲) ان کی کمزوریاں جان لینے کے بعد سبب وار کامیابی میں چھوٹ ڈالنا ہے۔ اس کام میں اپنی قوت صرف کرنے کے بعد تمہیں یہ اطمینان ہو چاہا جیسے کہ قہرارا شرف اول کے انگریز جاسوسوں میں ہونے لگا ہے اور تم امریکی نشان کے ہتھیار ہو گئے ہو۔ چھ ماہ لندن میں قیام کے بعد میں نے اپنے چچا کی بیٹی "میری میوٹی" سے شادی کر لی جو مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔ اس وقت میں ۲۲ اور دو ۲۳ سال کی تھی۔ "میری ایک دریا نہ دے کی ذہنی لڑکی تھی لیکن بڑے دلکش خدو خال کی مالک تھی۔ میری بیوی کا مجھ سے متوازن سلوک تھا اور میں نے اپنی زندگی کے بہترین دن اس کے ساتھ گزارے۔ شادی کے پہلے سال ہی میری بیوی امید سے تھی اور میں نے وہاں کا بے یقینی سے منتظر تھا لیکن ایسے موقع پر مجھے وزارت خانہ سے یہ قسم موصول ہوا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر فوراً عراق پہنچوں جو سببائیس سے عثمانی خلافت کی ذمہ دار تھا۔

اس مہینہ بیوی جہاں پہلے پہلے کے انتظار میں تھی اس حکم نامہ سے بہت آرزو ہوئے لیکن ملک و ملت سے محبت، احساس جاوطنی اور اپنے ساتھیوں سے رقابت، تمام گہرے لگائے، جذبات اور پیچھے کی محبت پر چھائی اور میں نے بغیر تردد کے اس کی ماموریت کو قبول کر لیا حالانکہ میری بیوی بار بار یہ زور دیتی رہی کہ میں اپنی روالگی کو بچے کی پیدائش

تک مائتہ رکعوں۔ جب میں اس سے رخصت ہوا تھا تو وہ اور میں دونوں بے نماز تھے۔ اس پر مجھے سے زیادہ رقت طاری تھی اور وہ کہہ رہی تھی: مجھے بھول کر جانا، خط ضرور لکھتے رہنا، میں بھی اپنے بچے کے سنہری مستقبل کے بارے میں نہیں لکھتی رہوں گی۔ اس کی باتوں نے میرا دل آجکے دن اور مجھے سوچ کی اس منزل تک پہنچایا کہ میں اپنے سفر کو کچھ عرصے کے لیے ملائی کروں لیکن پھر میں نے اپنے آپ کو ڈبو پایا اور اس سے رخصت ہو کر نئے احکامات حاصل کرنے کے لیے وزارت خاندان روانہ ہو گیا۔

معمودوں میں چھ ماہ کے طویل سفر کے بعد آفرکار میں، بھڑا بکھنچا۔ اس شہر میں رہنے والے زیادہ تر وہیں اطراف کے قبائل تھے جن میں ایرانی اور عرب اقوام کے دورہ ہم باز شیعہ اور سنی ایک ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ بصرہ میں جیسا یوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اپنی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں اہل تشیع اور ایرانیوں سے مل رہا تھا۔ یہاں یہ بات نا سنا سب نہیں ہوگی اگر میں اہل تشیع اور اہل تشن کے عقائد کے بارے میں مختصر کہتا چلوں۔ شیعہ حضرات حضرت محمد (ﷺ) کے داماد اور پتلا زاد بھائی علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے محب ہیں اور ان کو حضرت محمد (ﷺ) کا برحق چاہنیکہ تھے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے فتنہ مصریح کے ذریعہ حضرت علی کو اپنا جانشین منتخب فرمایا تھا اور آپ کے لیے دو فرزند کیے بعد دیگرے امام اور رسول خدا کے برحق جانشین ہیں۔

میری سوچ کے مطابق حضرت علی اور آپ کے دو فرزند امام حسن اور امام حسین کی خلافت کے بارے میں شیعہ حضرات مکمل طور پر حق تعالیٰ ہیں کیونکہ اپنے حفاظت کی بنیاد پر بعض شواہد اخلاقیہ میرے اس دعوے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی ہی وہ مہتمی تھے جو ممتاز صفات کے حامل تھے اور صحیح طور پر فوج اور اسلامی حکومت کی سربراہی کے اہل تھے۔ امام حسن اور امام حسین کی امامت کے بارے میں حضرت محمد (ﷺ) کی بہت سی حدیثیں دستیاب ہیں اور اہلسنت کو بھی ان سے انکار نہیں

ہے اور دونوں فریق اس پر متفق ہیں ان بات بھی، ہاں تو امر اور کجائش میں فرق ہے جو حسن بن علی (عالیہ السلام) کی اولاد سے ہیں اور شیعہ حضرات انہیں خصوصاً برحق مانتے ہیں۔ بلا تک یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر ان افراد کی امامت کی خبر دی ہو جو اپنی پیدائش سے دے ہوں؟ لیکن اگر محمد (ﷺ) اللہ کے برحق پیغمبر ہوں تو پھر وہ غیب کی خبر دے سکتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے آئندہ برسوں کی خبر دی تھی لیکن حضرت محمد (ﷺ) کی نبوت تو یہاں تک کے نزدیک مسلم نہیں ہے (۱) مسلمانوں کا کہنا ہے کہ قرآن، پیغمبر کی نبوت پر گہر پر دلیل ہے لیکن میں نے جتنا بھی قرآن پڑھا مجھے ایسی کوئی دلیل نہیں ملی۔ (۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ایک بلند پایہ کتاب ہے اور اس کا مقام قورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے۔ قدیم داستانیں، اسلامی احکام، آداب، تعلیمات اور دیگر باتوں نے اس کتاب کو بڑے درجے اور بڑے ممتاز بنا دیا ہے۔ لیکن کیا صرف یہ خصوصی غریقت محمد (ﷺ) کی سچائی پر دلیل بن سکتی ہے؟ میں جبران ہوں کہ ایک صحابی نے جسے لکھا اور پڑھا بھی نہ آتا ہو کس طرح ایک ارفع و اعلیٰ کتاب انسانیت کے حوالے کر سکتا ہے۔ یہ کام تو کوئی بڑھا کھلا اور صاحب استعداد آدمی بھی اپنی اپنی ذہنی اور فاضلہ کی بے باوجود تباہی نہیں دے سکتا۔ پھر کس طرح ایک صحابی عربیہ تعلیم کے ایک ایسی کتاب لکھ سکتا ہے؟ اور جیسا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں: "کیا یہ کتاب پیغمبر کی نبوت پر دلیل ہو سکتی ہے؟"

(۱) اگر یا جاسوس سے اس طرح کے نظریات خلاف توقع نہیں ہیں خاص طور پر جب اسے مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے بھجوا دیا۔

(۲) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی قرآن پاک پڑھ کر کوئی بھی کہے جن میں اس کی نظروں آیت پر مبنی ہو ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جناب حق سرشت کی بعثت کی خبر دیتے ہیں؟ "وہمیشوا ہوسول یمتی من بعدی اسمہ احمد" (میرے بعد آیت ۹) "اس کے علاوہ بھی جناب رسالت محمد (ﷺ) کی رسالت سے میری آیات موجود ہیں۔



میں نے اس بارے میں حقیقت سے آگاہی کیلئے بہت مطالعہ کیا ہے۔ لندن میں جب میں نے ایک پادری کے سامنے اس موضوع کو پیش کیا تو وہ بھی قابل اطمینان جواب نہ دے سکا۔ ٹری میں بھی میں نے شیخ احمد سے کئی دلو اس موضوع پر بات چیت کی مگر وہ ان بھی کچھ اطمینان نہیں ہوئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں لندن کے پادری کے مقابل شیخ احمد سے اپنی مکمل گرفتار نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ کچھ خطرہ تھا کہ کتب خانہ پر اپنی نہ کھل جائے یا پھر کم از کم تکفیر اسلام کے بارے میں اسے میری ہیئت پر شک نہ ہو جائے۔ بہر حال میں حضرت محمد (ﷺ) کی قدر و منزلت کی عظمت اور بزرگی کا قائل ہوں۔ بے شک آپ کا شمار ان فضیلت افراد میں ہوتا ہے جن کی کوششیں تربیت بشر کے لیے قابل انکار ہیں اور تاریخ اس بات پر شاپہ ہے لیکن پھر بھی مجھے ان کی رسالت میں شک ہے۔ تاہم اگر ہمیں پیغمبرِ مسلمانی بھی کیا جائے تو بھی ان کی بزرگی ہونا افراد سے بڑھ کر ہے جنہیں ہم نوافل سمجھتے ہیں۔ محمد (ﷺ) تاریخ کے روشن ترین افراد سے زیادہ روشن تھے۔ اعلیٰ صفت کہتے ہیں، حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) مستند آراء کی بنیاد پر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ امرِ خلافت کے حقدار تھے۔ اسی طرح انہوں نے غلامہ کے انتخاب میں قولِ پیغمبر کو بھلا کر برا و راست اقدام کیا۔ اس مخرج کے اختلافات اکثر ارباب، بالخصوص، مسیحیت میں پائے جاتے ہیں لیکن شیعہ کی اختلافات کا بوجھ ہم پہلو اس کا استغناء یا سبیلِ جاہلی رہنا ہے جو حضرت علی اور حضرت عمر کے گزرنے کے صدیوں بعد بھی اب تک اسی غور و خور سے باقی ہے۔ اگر مسلمان چھٹا غلغلے سے کام لیتے تو گوری تاریخ اور مجوس نے زمانے کے بجائے آج کے بارے میں سوچتے۔ ایک دلو میں نے شیخ سنی اختلافات کے موضوع کا اپنی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی سامنے پیش کیا اور ان سے کہا: "مسلمان اگر زندگی کے صحیح طریقہ کو سمجھتے تو ان اختلافات کو چھوڑ دیتے اور وحدت و اتحاد کی بات کرتے"۔ سب اعلیٰ یک صدرِ مجلس نے میری بات کانتے ہوئے کہا:

تہہ را کام مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکانا ہے نہ کہ تم انہیں اتحاد اور یک جہتی کی دعوت دو۔

عراق جانے سے پہلے نیکروری نے اپنی ایک نشست میں مجھ سے کہا: "اسطے اتم جانتے ہو کہ جنگ اور ہتھیارے انسان کے لیے ایک فطری امر ہیں اور جب سے خدا نے آدم کو خلق کیا اور اس کے حلق سے پہلے اور قابل پیدا ہوئے اختلافات نے سر اٹھایا اور اب اس کو حضرت عیسیٰ کی پادشاہت تک اسی طرح جاری رہنا ہے۔ ہم انسانی اختلافات کو چھٹا کر ان پر تشبیہ کر سکتے ہیں۔"

- (۱) نسلی اختلافات
- (۲) قبا کی اختلافات
- (۳) ارضی اختلافات
- (۴) قومی اختلافات
- (۵) مذہبی اختلافات

اس سفر میں تہہ را اہم ترین فریضہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا اور ان میں ہوادینے کے طریقوں کو سمجھنا ہے۔ اس سلسلے میں کئی بھی معلومات مہیا ہو سکیں گی جن میں اس کی اطلاع لندن کے حکام تک پہنچاتا ہے۔ اگر تم اسلامی مذاہب کے بعض حصوں میں بھی شیعہ فساد پر پا کر ڈیگو یا تم نے حکومت برطانیہ کی عظیم خدمت کی ہے۔ جب تک ہم اپنے نوآبادیاتی علاقوں میں تفرقہ، تفرقہ، شورش اور اختلافات کی آگ کو دہا نہیں دیں گے پر سکون اور مرفوعہ الجبال نہیں ہو سکتے۔ ہم اس وقت تک مملاتی سلطنت کو کھٹکتے نہیں دے سکتے جب تک اس کے ظہرہ میں شہر شہر گلی گلی فتنہ و فساد برپا نہ کر دیں۔ اسے بڑے علاقہ پر انگریزوں کی مختصری قوم سوائے اس ہتکنڈے کے

میں اسے مقررے انہیں چاہیے کہ پہلے اپنی پوری قوت صرف کر کے چٹکے۔  
شور شرابے چھوٹ اور اختلافات کی کوئی راہ نکالو اور پھر وہاں سے اپنے کام کا آغاز کرو۔  
میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت عثمانی فوجیں کمزور ہو چکی ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم  
لوگوں کو ان کے حکمرانوں کے خلاف فہم بکاد۔ تاریکی حقائق کی بنیاد پر ہمیشہ اقتدار ہوتا۔  
حکمرانوں کے خلاف عام کی شورش سے جو دشمن آئے ہیں۔ جب بھی کسی علاقے کے حوام  
میں بھڑک اٹھتا ہے تو ہتھیار کی راہ ہوا ہو سکتی ہے۔

بصرہ پہنچ کر میں ایک مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد کے پیش امام ابلسنت کے مشہور  
عالم شیخ عمر عالی تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا لیکن شیخ ابتدائی لمحہ ہی  
سے مجھ سے مشکوک تھا اور میرے حسب نسب اور گزشتہ زندگی کے بارے میں مجھ سے  
سوالات کرنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ پھر سے پھر سے اور مجھ نے اسے شک میں ڈال دیا تھا لیکن  
میں نے بڑی ترکیب سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچایا اور شیخ کے جواب میں کہا:  
میں ترکی میں واقع "آغدر" کا رہنے والا ہوں اور مجھے قسطنطنیہ کے شیخ کی  
شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ میں نے وہاں خالد بڑھئی کے پاس بھی کام کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ترکی میں میرے جو کچھ سکھایا تھا وہ سب اس سے بیان کیا۔ میں نے  
دیکھا کہ شیخ حاضرین میں سے کسی کو آنکھ کے دیر سے اشارہ کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ  
وہ جاننا چاہتا ہے کہ مجھے ترکی آتی بھی ہے کہ نہیں۔ اس شخص نے آنکھوں سے حامی  
بھری۔ میں دل میں بہت خوش ہوا کہ میں نے کسی حد تک شیخ کا دل جیت لیا ہے لیکن کچھ  
ہی دیر کے بعد مجھے اپنا غلط فہمی کا احساس ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ شیخ کا ضمیر ابھی اپنی  
جگہ باقی ہے اور وہ مجھے غیبیوں کا جاسوس سمجھتا ہے۔ مشہور تھا کہ شیخ، بصرہ کے گورنر کا  
نئے قافلہ تھا جسے عثمانیوں نے نہیں کیا تھا۔

بہر حال میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں شیخ کی مسجد سے ایک

جاتے کے ایک غریب مسافر خانہ میں ٹھہر گیا۔ میں نے وہاں ایک کمرہ کرائے پر  
لیا۔ مسافر خانہ کا مالک ایک افسق آدمی تھا جو ہر صبح سویرے مسافروں کو پریشان کیا کرتا تھا  
اور مجھے نماز کے لیے جگا تا تھا اور پھر سورن تھکے تک قرآن پڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ جب میں  
اس سے کہتا کہ قرآن پڑھنا واجب نہیں ہے پھر کہوں نہیں اس امر میں اتنا اصرار ہے؟ تو وہ  
کہتا کہ طلوع آفتاب سے قبل کی چند فقرہ اور پڑھنی لاتی ہے اور اس طرح مسافر خانہ کے تمام  
مقیم بدبختی کا شکار ہو جائیں گے۔ مجھے اس کی بات مانی پڑی کیونکہ وہ مجھے وہاں سے نکالنے  
جانے کی دھمکی دیتا تھا۔ ہر روز صبح میں نماز کے لیے اٹھتا تھا اور پھر ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ  
وقت تک قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔

میری مشکل میںیں ختم نہیں ہوئی۔ ایک دن مسافر خانے کے مالک مرشد  
آفندی نے آکر کہا: جب سے تم نے اس مسافر خانے میں رہائش اختیار کی ہے مسیحیوں  
نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور اس کی وجہ تم اور تمہاری لائی ہوئی محنت ہے اس لیے کہ تم نے  
ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔ اور کسی کو اپنا شریک حیات نہیں بنایا ہے جنہیں یا شادی کرنی  
ہوگی یا بکھر بیٹھیں سے جانا ہوگا۔

میں نے کہا: آفندی! میں شادی کے لیے مرنے کیلئے کہاں سے آؤں؟ اس دفعہ میں  
نے اپنے آپ کو شادی کے قابل ظاہر کرنے سے انکار کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مرشد  
آفندی کو ہانگائے بغیر میری بات پر یقین نہیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔

مرشد آفندی نے جواب دیا: اور نام کے ضعیف الاعتقاد مسلمان! کیا تم نے  
قرآن کا مطالعہ نہیں کیا ہے ان شاء اللہ کہ تم فرماتے ہو:

"وہ لوگ جو فخر میں جلتا ہیں خداوند انہیں اپنی بزرگی سے ملامت کر دے گا۔"

میں حیران تھا کہ اس ناگہان انسان سے کس طرح ایسا پھراؤں۔ آخر کار میں نے  
اس سے کہا: آپ کا ارشاد بجا ہے لیکن میں تم کے بغیر شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ کیا آپ

مضروبی اخراجات کے لیے مجھے کچھ رقم قرض دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام میں حق میرا  
کیے لبر کوئی صورت کسی کے عقد میں نہیں آ سکتی۔

آخندی کچھ دیسویج میں پڑ گیا اور پھر قرض کی بات کرنے کے بجائے اچانک سر  
ہاتھ کیا اور اونچی آواز میں بولا: مجھے کچھ نہیں معلوم یا تمہیں شادی کرنی ہوگی یا پھر رجب کی  
کبلی تاریخ تک کمرہ چھوڑنا ہوگا۔ اس دن جمادی الثانی کی پانچویں تاریخ تھی اور صرف ۲۵  
دن میرے پاس تھے۔

اسلامی بیٹوں کے ناموں کے بارے میں بھی یہاں کچھ تذکرہ نامناسب نہ ہوگا

(۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاول

(۴) ربیع الثانی (۵) جمادی الاول (۶) جمادی الثانی

(۷) رجب (۸) شعبان (۹) رمضان

(۱۰) شوال (۱۱) ذوالقعدہ (۱۲) ذوالحجہ

برہمچریہ چاند کے آغاز سے شروع ہوتا ہے اور ۳۰ دن سے اوپر نہیں جاتا لیکن کبھی  
کبھی ۳۱ دن کا بھی ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ مسافر خانہ کے مالک کی خدمت گیری کے سبب مجھے وہ جگہ چھوڑنا پڑی۔  
میں نے یہاں بھی ایک ترکھان کی دکان پر اس شرط کے ساتھ نوکری کر لی کہ وہ مجھے رہنے  
اور کھانے کی سہولت فراہم کرے گا اور اس کے عوض مزدوری کم دے گا۔ میں رجب سے پہلے  
ہی نئی جگہ منتقل ہو گیا اور ترکھان کی دکان پر پہنچا۔ ترکھان عبدالمنانہا بہت شریف اور محترم  
فصل تھا اور مجھ سے اپنے بیٹوں جیسا سلوک کرتا تھا۔

عبدالرضا ایرانی الاصل شیعہ تھا اور خراسان کا رہنے والا تھا۔ میں نے موقع سے  
فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے فارسی سیکھنا شروع کی۔ دوپہر کے وقت اس کے پاس بصرہ  
میں مقیم ایرانی بیٹے جوتے دے گئے جو سب کے سب شیعہ تھے۔ وہاں بیٹھ کر اور ادھر کی گفتگو ہوتی

تھی۔ کبھی سیاست اور معیشت عنوان کا کام ہوتا تھا، کبھی عثمانی حکومت کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔  
خاص طور پر سلطنت وقت اور انٹرنل میں مقرر ہونے والا خلیفہ مسلمانان کی تحقیر کا نشانہ  
ہوتا لیکن جو کبھی کوئی اچلی گا کچھ دکان میں آتا وہ سب کے سب خاموش ہوجاتے اور ذوقی  
دیکھنے کے متعلق غیر اہم باتیں ہونے لگتیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں کیونکر ان کے لیے قابل اعتبار تھا اور وہ میرے سامنے ہر  
قسم کی گفتگو کو جائز سمجھتے تھے۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ انہوں نے مجھے آؤر  
پانچیاں کا رہنے والا خیال کیا تھا کیونکہ میں ترکی بات چیت کرتا تھا اور آخر پانچیانوں کی  
طرح حیرانچیز و سرکش وغیرہ تھا۔

ان دنوں جب میں ترکھان کا کام کرتا تھا میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی  
جو وہاں آتا جاتا رہتا تھا اور ترکی، فارسی اور عربی زبانوں میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ دینی طالب  
علوم کا لباس پہنتا تھا۔ اس کا نام محمد بن عبدالوہاب تھا۔ وہ ایک اونچا ڈلے والا، ایک جاہ  
طلب اور نہایت فصیلا انسان تھا۔ اسے عثمانی حکومت سے سخت نفرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کی  
برائی کرتا تھا لیکن حکومت ایران سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ ترکھان عبدالرضا اس کی  
دوستی کی وجہ مشترک یہ تھی کہ وہ دونوں ہی عثمانی خلیفہ کو اپنا سخت ترین دشمن سمجھتے تھے لیکن  
میرے علم میں یہ بات نہ آ سکی کہ اس نے عبدالرضا ترکھان سے کتنی طرح دوستی بڑھائی تھی  
جبکہ یہ کسی اور وسیعہ تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوسکا کہ اس نے فارسی کہاں سے سیکھی تھی؟  
البتہ بصرہ میں خود کسی مسلمان ایک ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ  
ان کے رواج و دستاویزی اور وہاں فارسی اور عربی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں تاہم ترکی  
گفتگو والوں کی تعداد بھی وہاں کچھ کم تھی۔

محمد عبدالوہاب ایک آزاد خیال آدمی تھا۔ اس کا زکین شیعہ دینی تعصبات سے  
بالکل پاک تھا حالانکہ وہاں بیشتر شیخوہات شیعوں کے خلاف تھے اور بعض شیعی مسلمان

نہر ہے۔ یہ بہت نہیں ہیں۔ میں صرف کتاب سنت کو ماننا ہوں۔

قی: "چچا اگر تم سنت کے عمل ہو تو کیا بغیر (ﷺ) نے یہ نہیں کہا تھا؟ میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں" (انا مدینۃ العلم والعلمیٰ بناہا) اور کیا یہ کہ کر بغیر (ﷺ) نے علی اور سجاد کے درمیان فرق کا نہیں کیا؟

محمد: "میرا یہ ہے تو بغیر (ﷺ) نے اپنے مقام پر کہی ہے کہ: "میں نے تمہارا دروازہ ان کتاب اور احادیث کو چھوڑ دیا ہے" (انسی فساو کتب الفقہاء المتفلسفین بحجاب الطوفان عن علی بن ابی طالب) شہر علم الہدیت کے سربراہ و دربار میں ہے۔

محمد نے اس حدیث کو بھلا لیا لیکن شیخ قی نے اصول کافی کے استاد کی بنیاد پر بغیر (ﷺ) سے اس حدیث کو ثابت کیا اور محمد کو خاموش ہونا پڑا۔ اب اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اچانک اس نے شیخ پر اعتراض ٹھونکا: "بغیر (ﷺ) نے ہمارے اپنے صرف کتاب اور اپنے الہدیت کو باقی رکھا ہے تو پھر سنت کہاں گئی؟"

قی نے جواب دیا: سنت اسی کتاب کی تفسیر و تشریح کا نام ہے اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں بغیر (ﷺ) نے فرمایا ہے اللہ کی کتاب اور میرے الہدیت، یعنی کتاب خدا اس تشریح و تفسیر کے ساتھ جو سنت کہلاتی ہے اور اس کے بعد سنت کی تکرار کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

محمد نے کہا: اگر آپ کے دعوے کے مطابق حضرت یا اہل بیت ہی کام الہی کی تفسیر ہیں تو پھر کیوں متن حدیث میں اس کا اضافہ ہوا ہے؟

قی نے جواب دیا: جناب رسالت مآب (ﷺ) کی وفات کے بعد امت محمدی کو قرآن بھاننے والے کی شدید ضرورت تھی کیونکہ تو ماہی زندگی کو احکام الہی پر متبقی کرنا پڑتی تھی اس لیے بغیر کریم (ﷺ) نے اپنے شیخ علم کی بنیاد پر کتاب الہی کو اصل ثابت اور حضرت کو مفسر و شارح کتاب بنا کر امت کے حوالے کیا۔

جبروتی کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی انگشتوں سے بڑا سزا آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ محمد بن عبد الوہاب اس ضعیف العرش جبروتی کے آگے آپ ایسی چڑیا کی مانند پھرتا پھرتا رہتا ہے جس میں ہرگز نہ کیا گیا ہو اور اس کے پرواز کی راہ مسدود ہو گئی ہو۔

محمد بن عبد الوہاب سے مکمل جہل اور علاقوں کے ایک سلسلہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی اوپنیاؤں نے کی خواہش، جاہل ملی، غرور، غلا و مٹاؤ، اسلام سے اس کی دشمنی، اس حد تک دوسری کو خلفاء راشدین بھی اس کی تشدید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن و حدیث سے استفادہ اس کی تشریحات میں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

میں نے سوچا کہاں یہ غرور فرعون اور کہاں استہول کا وہ ترک بڑھا آ رہی (احمد آندی) جس کے افکار و کردار گویا ہزار سال پہلے کے افراد کی تصویر کشی کرتے تھے۔ اس نے اپنے اندر ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ مثنوی مذہب سے تعلق رکھنے والا وہ یوزحاحا شخص ابو حنیفہ کا نام زبان پر لانے سے پہلے اٹھ کر وضو کرتا یا مساجد، حج، قاری کے مطالعہ کو اپنا فرض سمجھتا تھا جو اہل سنت کے نزدیک حدیثوں کی نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے اور وہاں بھی وضو کر کے بغیر کتاب کو پیش چھوٹا تھا اور اس کے بالکل برعکس شیخ محمد بن عبد الوہاب، ابو حنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور اسے ناقابل اعتبار سمجھتا تھا۔ محمد کو پتا تھا: "میں ابو حنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں"۔ اس کا کوئی تھا کہ نصف حج بخاری بالکل پھر اور پروردہ ہے۔

میر ضرورت میں نے عبد الوہاب سے بہت گہرے مراسم قائم کرنے اور ہماری دوستی میں قائل جدائی استحکام پیدا ہو گیا۔ میں بار بار اس کے کانوں میں یہ بریں بھولتا تھا کہ خدا نے تمہیں حضرت علی اور حضرت عمر سے کہیں زیادہ صاحب استعداد بنایا ہے اور تمہیں بڑی لطیفیت اور بزرگی بخشی ہے۔ اگر تم جناب رسالت مآب (ﷺ) کے زمانے میں

ہو۔ تہ تو یقیناً اس کی جائزگی کا شرف نہیں ہی ملتا۔ (کعبہ ذی باطن من ذالک) جب ہمیشہ پر امید رکھے میں اس سے کہتا:

میں چاہتا ہوں کہ اسلام میں جس انقلاب کو رد فرما ہوا ہے وہ تیار سے ہی مبارک ہاتھوں سے انجام پڑے کہ اس لیے کہ صرف تم ہی وہ شخصیت ہو جا اسام کو دہائیوں سے بھاسکتے ہو اور اس مسئلے میں سب کی امیدیں تم سے وابستہ ہیں۔

میں نے عبدالوہاب کے ساتھ ملے کیا ہم دونوں بیٹھ کر علما و مفسرین، پڑھ دیا ان دین و دہب اور صحابہ کرام سے ہونے والے افکار کی بنیاد پر قرآن مجید پر گفتگو کریں۔ ہم قرآن پڑھتے اور آیات کے بارے میں اظہار خیال کرتے تھے۔ میرا کچھ علمی یہ تھا کہ میں کسی طرح اسے انگریزوں اور ایرانی علاقوں کی وزارت کے کام میں بھجوا دوں۔

میں نے آہستہ آہستہ اس اونچی اڑان والے خود پرست انسان کو اپنی گفتگو کی لپیٹ میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے حقیقت سے کچھ زیادہ علی آراء خیال بننے کی کوشش کی۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا: "کیا جہاد واجب ہے؟" اس نے کہا: کیوں نہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے: "کافروں سے جنگ کرو۔"

میں نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے: کافروں اور منافقوں دونوں سے جنگ کرو اور اگر کافروں اور منافقوں سے جنگ واجب ہے تو پھر پیغمبر (ﷺ) نے منافقوں سے کیوں جنگ نہیں کی؟

محمد بن عبدالوہاب نے جواب دیا: "جہاد صرف میدان جنگ ہی میں نہیں ہوتا۔ پیغمبر خدا نے اپنی رفتار و گفتار سے دوسرے منافقوں سے جنگ کی ہے۔"

میں نے کہا: "پھر اس صورت میں کفار کے ساتھ جنگ بھی رفتار و گفتار کے ساتھ واجب ہے۔"

اس نے جواب دیا: "نہیں، اس لیے کہ پیغمبر (ﷺ) نے جنگ کے میدان میں ان کے ساتھ جہاد کیا ہے۔"

میں نے کہا: "کفار کے ساتھ رسول خدا (ﷺ) کی جنگ اپنے دفاع کے لیے تھی کیونکہ وہ ان کی جان کے دشمن تھے۔"

محمد بن عبدالوہاب نے اٹھتے اٹھتے کہا: "میں اپنا سر بلایا اور میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے ہاتھوں میں کاساب ہو گیا ہوں۔"

ایک اور دن میں نے اس سے کہا: "کیا غزوات سے جہاد جائز ہے؟" اس نے کہا: "ہرگز نہیں۔"

میں نے کہا: "پھر غزوات قرآن نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے کہا ہے؟" اور جب تم ان سے جہاد کرو تو ان کا حق مہربانا کرو۔"

اس نے کہا: "ہاں یہ آیت تو اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حرام قرار دیا کہ: جہاد پیغمبر (ﷺ) کے زمانہ میں حلال تھا، اسے حرام قرار دیا جوں اور اب جو اس کا مرتکب ہوگا میں اسے سزاؤں کا۔"

میں نے کہا بڑی عجیب بات ہے۔ تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہو اور پھر اپنے آپ کو اس سے زیادہ صاحب عقل مانتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ جلال محمد (ﷺ) کو حرام کریں۔ تم نے قرآن کو بھلا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو تسلیم کر لیا؟

محمد بن عبدالوہاب نے جب سادہ لی اور خاموشی اس کی راضا مندی کی دلیل تھی۔ اس موضوع پر اس کی خیالات درست کر کے میں نے اس کے "احادیث خیالات" کو بھارت شریعہ کر دیا۔ وہ ایک غیر متاثرہ شخص تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: "مذہب کے ادریتہ اپنی زندگی پر سرست پانا چاہتے ہو؟"

محمد بن عبدالوہاب نے رسنا اور غبت کی علامت سے اجتناب رکھا کیا۔

میں اپنے قرائن کے انتہائی اہم سوز پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں بہر حال تمہارے لیے اس کا انتظام کر دوں گا، مجھے اس بات کا غرض تھا کہ کہیں محمد بن عبدالوہاب عصرہ کے ان سنیوں سے خوف زدہ نہ ہو جائے جو اس بات کے مخالف تھے۔ میں نے وہیمینا دیا کہ وہاں پر وہ تمام باطل غلی و گہا یہاں تک کہ عورت کو بھی تمہارا نام نہیں بتایا جائے گا۔ اس گفتگو کے بعد میں اس بدقماش نظرائی عورت کے پاس گیا جو افغانستان کے قزو یا پاتی علاقہ کی وزارت کی طرف سے بعمرہ میں مصیبت فردی پر معذور تھی اور مسلم نو جوانوں کو بے راہ روی پر ابھارتی تھی۔ میں نے اس سے تمام واقعات بیان کیے۔ جب وہ راضی ہو گئی تو میں نے اس کا عارضی نام "عنیدہ" رکھا اور کہا کہ میں شیخ کو لے کر اس کے پاس آؤں گا۔

مقررہ دن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کو لے کر عنیدہ کے گھر پہنچا۔ ہم دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ محمد بن عبدالوہاب نے ایک اشرفی سہر پر ایک ہفتہ کے لیے قنبرہ سے عذر کیا۔ مختصر یہ کہ میں باہر اور عنیدہ کا دور سے محمد بن عبدالوہاب کو آئندہ کے پروگراموں کے تیار کر رہے تھے۔ عنیدہ نے احکام دین کی پامالی اور آزادی دینے کا پریکٹ مزہ کھین محمد بن عبدالوہاب کو دکھایا تھا۔

میں اس تقریب کے تیسرے دن پھر محمد بن عبدالوہاب سے ملا اور ہم نے ایک بار پھر اپنی گفتگو کا مسئلہ شروع کیا۔ اس بار شراب کی حرمت زیر بحث تھی۔ میری کوشش تھی کہ میں ان آیات کو رد کروں جو محمد بن عبدالوہاب کے نزدیک حرمت شراب پر دلیل تھیں۔ میں نے ان سے کہا: "انگریز معاہدہ، مختلفا ہے وہاں یہی مہاس کی شراب نوشی ہمارے نزدیک مسلم ہوتی ہے مگر وہ سکتا ہے کہ یہ تمام بیٹھوایان دین و مذہب گمراہی کی زندگی بسر کرتے ہوں اور تمہارا سب سے راستہ یہ ہو؟ یہ شک وہ لوگ کتاب الہی اور سنت رسول کو ہم سے زیادہ بہتر

پہنتے تھے۔ چنانچہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ ارشادات خدا اور رسول (ﷺ) سے ان لوگوں نے جو استنباط کیا تھا وہ شراب کی حرمت نہیں بلکہ اس کی کماہت تھی۔ اس کے علاوہ یہ وہ نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں صراحت سے شراب پینے کی اجازت ہے حالانکہ یہ بھی الہی اور ان کی اور اسلام اور ایمان کے پیغمبروں کا عقیدہ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شراب اللہ کے پیچھے ہوئے ایک دین میں حلال اور دوسرے میں حرام ہو؟

کیا یہ سب ایمان برحق یا خدا نے دیکھا کے پیچھے ہوئے نہیں ہیں؟

ہمارے پاس تو یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک شراب پیتے رہے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی: "کیا تم شراب پلو جو تم سے دشمن اور نہیں ہو گئے؟" اسی لیے رسول خدا ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شراب نوشی پر حد جاری فرماتے مگر آپ کا ان پر حد جاری نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ شراب حرام نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوہاب جو بڑے غور سے میری گفتگو سن رہا تھا اچانک سنبھلا اور کہا: "روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب میں پانی ملا کر پیتے تھے کہ اس کی وہ کیفیت دور ہو جائے جو نفع پیدا کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے شراب کی اتنی حرام ہے نہ کہ شراب، وہ شراب جس سے بشر طاری نہ ہو وہ حرام نہیں ہے" (اب یہ امام ابوہامد پوری طرح "سفر" کے جال میں پھنس چکا ہے۔ اسی لیے اس کی تائید کر رہا ہے۔ (مترجم)

محمد بن عبدالوہاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کو اس آیت کی روشنی میں جاننا تھا جس میں ارشاد ہوتا ہے: "شیطان جانتا ہے کہ تمہارا رد میان شراب اور جوئے کے درمیانے عداوت اور دشمنی پیدا کرنے اور تمہیں یاد خدا اور دنا سے باز رکھے۔"

اگر شراب میں سستی اور نشہ ہو تو پینے والے پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے اور ای لیے وہ شراب جس میں سستی نہیں حرام نہیں ہے۔

میں نے محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ شراب سے متعلق گفتگو کو صلیہ کے گوش



گنہگار کیا اور اس کو ناکہ کی کہ موقع ملنے ہی محمد بن عبدالوہاب کو کھڑے میں چور کر دو اور جتنا  
اوسکے شراب پلاؤ۔

دوسرے دن وہ یہ نہ سمجھنے اطلاع دی کہ اس نے شیخ کے ساتھ بی کھول کر شراب  
ٹوٹنی کی یہاں تک کہ وہ آ پے سے باہر ہو گیا اور چٹنے چلانے لگا۔ رات کی آخری گھڑی میں  
کئی مرتبہ اس نے مقدار بت کی اور اب اس پر شکابہت کا عالم طاری ہے اور چہرے کی آب و  
تاب ختم ہو چکی ہے۔ غلام کا کام یہ کہ میں اور صفیہ پوری طرح محمد بن عبدالوہاب پر چھاپنے  
تھے۔ اس منزل پر بھیجے تو آبادیاتی علاقوں کے دوسری کی مہری بات یاد آئی جو اس نے مجھے  
الوداع کرتے ہوئے کہی تھی۔ اس نے کہا تھا:

"ہم نے انہیں کو کفار (مراواہل اسلام ہیں) سے شراب اور جوئے کے  
ذریعے دوبارہ حاصل کیا۔ اب انہیں دو طاقتوں کے ذریعے دوسری علاقوں کو بھی پامردی  
کے ساتھ واپس لیتا ہے۔"

محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ مذہبی گفتگو کے دوران ایک دن میں نے روزہ کے  
مسئلہ کو وادی اور کہا: "قرآن کہتا ہے: 'روزہ تمہارے لیے بہتر ہے'۔ اس نے یہ نہیں کہا  
کہ تم پر واجب ہے۔" لہذا اسلام میں روزہ واجب نہیں مستحب ہے۔" (اہل بیت کے اس  
دامخ غلط بیان پر عبدالوہاب نے بخیر اس سے عارض ہو جاتا ہے)۔

اس موقع پر عبدالوہاب کو غصہ آیا اور اس نے کہا: "تم مجھے دین سے  
خارج کرنا چاہتے ہو۔"

میں نے کہا: "اے محمد بن عبدالوہاب! دین قلب کی پاکیزگی کی سلامتی اور  
احمدی کا نام ہے۔ یہ کیلیات انسان کو دوسروں پر ظلم و زیادتی سے روکتی ہیں۔ کیا حضرت  
علیؑ نے یہ نہیں کہا کہ مذہب عقل و دانش کا نام ہے، کیا قرآن میں نہیں کہا: 'یقین حاصل  
کرنے تک اللہ کی عبادت کرو۔ اب اگر انسان یقین کامل کی منزل پر پہنچ جائے، خدا اور روز

ایہ مدت اس کی دل میں راسخ ہو جائیں، ایمان سے اس کا دل گریز ہو جائے اور وہ اپنے  
دل کا حال ہر روز کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اس منزل میں وہ اعلیٰ ترین  
انسانی مراتب سے وابستہ ہو جاتا ہے۔" محمد بن عبدالوہاب نے اس مرتبہ شدہ مخالفت کی  
اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

ایک دفعہ میں نے محمد بن عبدالوہاب بخیر سے کہا: نماز واجب نہیں!

اس نے پوچھا: "کیوں؟"

میں نے کہا: اس لیے کہ خداوند عالم نے قرآن میں کہا ہے کہ: "مجھے یاد کرنے  
کے لیے نماز قائم کرو"۔ پس نماز کا مقصد تراکیبی ہے اور تمہیں چاہیے کہ تم اس کا نام اپنی  
زبان پر جاری رکھو۔"

محمد بن عبدالوہاب نے کہا: "ہاں میں نے سنا ہے کہ بعض علماء نے دین نماز کے  
وقت اللہ کے نام کی تکبیر شروع کرتے ہیں اور نماز اٹھیں کرتے۔"

میں محمد بن عبدالوہاب کے اس اعتراض سے بہت زیادہ خوش و اطمینان تھا کیونکہ  
وہ میں نے اسے نماز پڑھنے کی تلقین بھی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے پابندی چھوٹ  
گئی۔ اب وہ کبھی نماز پڑھتا اور کبھی نہ پڑھتا۔ خاص طور سے صبح کی نماز کا اس نے ترک  
ہی کر دی تھی۔ ہم لوگ رات کو جب چمکتے جس کی وجہ سے صبح اٹھنے اور وضو کرنا کی ہمت  
اس میں باقی نہیں رہتی تھی۔

تقریباً مقرر آہستہ آہستہ میں محمد بن عبدالوہاب کے بدن سے ایمان کا لہرہ  
اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں ہر روز اس سے اپنی تصفیہ انگاہ کو وسیعہ جاری کرتا۔ انجام  
کار ایک دن میں نے گفتگو کی حدود کو چن بھول خدا (تعالیٰ) کی ذات (الذات) تک  
آگے بڑھایا۔ اچانک اس کے چہرے پر تہ لہجہ آئی اور وہ اس مضمون پر گفتگو سے لیے تیز

فمنہم منہ انہ نے مجھ سے کہا: "اگر تم نے رسول خدا (ﷺ) کی شان میں گستاخی کی تو ہماری نجات دہی ہوگی۔" انہوں نے کہا: "اگر تم نے رسول خدا (ﷺ) کی شان میں گستاخی کی تو ہماری نجات دہی ہوگی۔"

میں نے انہیں بھڑکاتے ہوئے دیکھا تو فوراً اپنے موضوع گفتگو بدل دیا اور پھر اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔

اس دن کے بعد سے میرا مقصد محمد بن عبدالوہاب کو رہبری اور پیشوائی کی فکر دینا ہو گیا۔ مجھے اس کے نسب و روح میں اتنا کرشمہ کی فرقتوں کے علاوہ اسلام میں ایک دوسرے کے فرقے کی سربراہی کی پیش کش اس کے لئے قابل عمل لگتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری تھا کہ پہلے میں اس کے ذہن کو صحیح تہذیب اور اندھے تعصبیت سے پاک کر دوں اور اس عقائد سے اس کی آرائش خیالی اور بلند پروازی کو تقویت بخشناں۔ اس کام میں حقیقت بھی میری مددگار تھی کیونکہ محمد بن عبدالوہاب اسے دلیلوں کی طرح چاہتا تھا اور ہر بحث میں اسے برتری دیتا تھا۔ یہ شخص کہ حقیقت میں محمد بن عبدالوہاب سے مراد قرار دیا جاسکے تمام نظریات و عقائد تھیں لیکن نہیں تھے۔

میں نے اپنی ایک ملاقات میں محمد بن عبدالوہاب سے کہا: "کیا یہ درست ہے کہ جناب رسول خدا (ﷺ) کی تمام مصائب سے دوخت تھی؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں"

میں نے پوچھا: "اسلام کے قوانین دینی میں یا دینی؟"

اس نے کہا: "ابے شک دینی ہیں" اس لئے کہ رسول خدا (ﷺ) فرماتے ہیں:

"کہ: "ملائی محمد (ﷺ) کی امت سے کمال ہیں اور تمام محمد (ﷺ) کی امت سے کمال ہے۔"

میں نے اس پر مزید کہا: "تمہیں بھی ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کا

دوست اور بھائی ہونا چاہیے۔"

اس نے میری بات کو قبول کیا اور اس دن کے بعد سے تمام سطرہ حضرت میں ہم ایک

دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ میں اس کو شش شش تھا کہ جس پورے کو تہذیب میں میں نے اپنی

ذہنی کے دن صرف کے ہیں اب جنسی جلد ممکن ہو سکے اس کے چہلوں سے استفادہ کریں۔

حسب معمول میں ہر مہینے کی رپورٹ، افغانستان میں نو آبادیاتی علاقوں کی

وزارت کو بھیجا رہا۔ رپورٹ لکھنا اب میری عادت میں میں ہونے لگا تھا جس میں میں

کوئی بھی نہیں کرتا تھا۔ وہاں سے جو جوابات لکھے جاتے تھے وہ تمام کے تمام بڑی حوصلہ افزا

اور پر امید ہوا کرتے تھے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں میری بہت بڑھاتے تھے۔ میں

اور محمد بن عبدالوہاب نے جس راستے کا تعین کیا تھا ہم اسے بڑی تیزی سے طے کر رہے

تھے۔ میں سطرہ حضرت میں کبھی اس کو جواب نہیں دیتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں اسے آزاد خیالی اور

نقدی عقائد میں حدت پسندی کی روح کو اس سے جدا کر دوں اور اسے حکام و پیشواؤں میں ہمیشہ اس کو

یہ آس دے کہ وہ تار و پود کا ایک تار کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس کا مفاد میں ہے۔

ایک دن میں نے اس سے اپنا ایک چھوٹا خطاب بیان کیا اور کہا: "راست میں نے

جناب خاتمی مرتبہ (ﷺ) کو بالکل اسی سرائی کے ساتھ کر دیا ہے جو مجھے دیکھا ہے ڈاکو اور اعلیٰ

ممبروں پر بیان کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور بزرگان دین نے جن سے میری

کوئی واقفیت نہیں تھی چاروں طرف سے ان کو گھیر رکھا تھا۔ ایسے میں میں نے دیکھا کہ

اچانک تمام اس مجمع میں داخل ہو گئے۔ تمہارے پیروں سے آواز کی شعلیں پھوٹ رہی تھیں۔

جب تم رسالت مآب (ﷺ) کے سامنے پہنچے تو انہوں نے کھڑے ہو کر میری تعظیم کی اور

ملا چڑھا اور کہا: "اسے میرے ہاتھ میں لے کر میرے علم کے داروں اور مسلمانوں

کے درمیان اور دنیاوی امور کو سونپ دے میں میرے جانشین ہو۔"

یہ سن کر تم نے کہا: "یا رسول اللہ (ﷺ) لوگوں پر اپنے علم کا ظاہر کرتے ہوئے مجھے

خوف محسوس ہوتا ہے۔"

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غرض کو اپنے دل میں جگہ نہ دو کیونکہ جو کچھ تم اپنے بارے میں سوچتے ہو، اس سے تمہیں زیادہ صاحب مرتبہ ہو۔ مجھ بن عبدالوہاب نے ہر سال اس کلمہ کی تلاوت کو سنا تو خوشی سے چھوٹا نہ ہوا۔ وہ مجھ سے بار بار پوچھتا تھا کیا تمہارے شراب پیے ہوتے ہیں؟ اور میں مسلسل اطمینان دلاتا رہا میں نے کبھی نہیں کیا کہ غرض کو اپنے دل سے نکال دیا۔ اے نبی! میں نے اپنے دل سے غرض کے اعلان کا منہم ارادہ کر لیا ہے۔

(۱۵) (۱۶) (۱۷)

اس دوران مجھے اعلان سے خط پہنچا کہ شاہ فرید اور نجف کے مقدس شہروں کی طرف روانہ ہو جاؤں جو عثمانوں کے لئے قبلۂ آرزو اور علم و روحانیت کے مراکز ہیں۔ اب سب سے پہلے میں مقدمہ کے نظریہ پران دونوں مقدس شہروں کا ایک نہایت مختصر منظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اہل تشیع کے پہلے امام اور ماسلمانین کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدس شہر نجف کی اہمیت کا سرواڑہ آغاز ہے اور یہیں سے اس سنی کا وجود مکمل میں آتا ہے اور یہ درود بروجی جلی جاتی ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت مرکز خلافت بھی کوڑے سے نجف کا فاصلہ چھ گونہ تھا جسے پیدل ایک سو گھنٹے میں طے کیا جاسکتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جناب حسین علیہم السلام آپ رضی اللہ عنہ کے زانوے کو شہید طور پر اس دور افتادہ علاقہ میں لائے جسے آج نجف کہا جاتا ہے اور رات کی تاریکی میں آپ کو گولی کر دی۔ اب یہ شہر چین انہیں کی کا سب سے بڑا علاقہ کہلاتا ہے اور اس کی آبادی گونہ ست کہیں زیادہ ہے۔ اس جگہ اہل تشیع کا حوزہ علمیہ قائم ہے اور دنیا بھر کے علماء نے اس شہر میں اجماع اختیار کیا ہے۔ ہر سال اس کے بازاروں، مدرسوں اور گھروں میں اصناف ہوتا چلا جاتا ہے۔ شیعہ علماء خصوصی احترام کے حامل ہیں۔ استنبول میں قائم عثمانی خلیفہ منہ بعد ذیل وجوہات کی بنا پر ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

(۱) ایران کا بادشاہ شیعہ مذہب کا پیروکار تھا اور علمائے نجف کی نسبت عثمانی مسلمانین کا احترام ایران اور ترکی کے دوستانہ روابط میں استحکام کا باعث تھا اور اس طرح دونوں ممالک میں جنگ کا کھکا قسم ہو جاتا تھا۔

(۲) نجف کے اطراف و اکناف میں بہت سے قبائل آباد تھے جو سب کے سب مسلح اور سختی سے شیعہ مزاحمت کے پیروکار تھے۔ ان کے پاس کوئی اصلی اسلامی تربیت نہیں تھی۔ یہ لوگ قبائلی لڑائی کے عادی تھے لیکن علماء کی توجہ پر برداشت نہیں کر سکتے تھے لہذا اگر عثمانیوں کی طرف علماء کی بے احترامی عمل میں آتی تو وہ سب کے سب بغض کے خلاف متحد ہو جاتے اور یہ کوئی عثمانی کی بات نہ تھی کہ استنبول کی خلافت ایسا خطرہ اپنے لیے مول لیتی۔

(۳) ہماری دیئے تشیع میں شیعہ علماء کی مرہبت قائم تھی لہذا اگر عثمانیوں کی طرف سے ذرہ برابر بھی ان کی اہانت ہوتی تو ایران، ہندوستان، افریقہ کے تمام ممالک کے شیعہ برافروختہ ہوتے اور یہ بات ترک حکومت کے حق میں نہ تھی۔

اہل تشیع کا دوسرا مقدس شہر کربلائے معلیٰ ہے۔ یہ شہر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آج تک مسلسل پھیل رہا ہے۔ عراق کے لوگوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ آپ شریف لائیں لیکن جو بھی آپ اپنے خاندان کے ساتھ کربلائے معلیٰ پہنچے جو کوفہ سے تقریباً ۷۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے عراق کے لوگوں کا مزاج بدل گیا اور وہ مزید سے کلمہ پر امام کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

یاد رہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ تھا جس کی شام پر حکومت تھی۔ اموی لشکر، حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے سے برسرِ پیکار ہوا آخر کار ان سب کو شہید کر دیا۔ عراقیوں کی

یہ بزدلی اور بڑی بے لکڑی کی پلیدی اور سنگدلی اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ شرمناک داستان ہے۔ اس واقعے کے بعد آج تک دنیا کے تمام شیعہ کربلا کو زیارت عبادت، روحانی لگاؤ اور توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے جوق در جوق وہاں پہنچتے ہیں۔ کبھی اجتماع ہوتا ہے کہ تاریخ مصیبت میں بھی ایسا اجتماع دیکھنے میں نہیں آئے کہ کربلا کے شہر میں بھی شیعہ علماء اور مراجع دین اسلام کی تعلیم و ترویج میں ہمیشہ مصروف نظر آتے ہیں۔ یہاں سکے دینا دوسرے طالب علموں سے بھرتے رہتے ہیں۔ کربلا اور کعبہ مکمل ایک دوسرے کی مثال ہیں۔ جلد فرات عراق کے دریا سے آ رہا ہے جن کا سرچشمہ ترکی کا ایک کوبستانی علاقہ ہے۔ نین اسمیرین کی کھیتیں اسی کے کم سے آ رہی ہیں اور یہاں کے لوگوں کی خوشحالی انہیں دریاؤں کی ہر ہول منہ ہے۔

جب میں لندن واپس گیا تو میں نے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو پوچھنا شروع کیا کہ وہ حکومت عراق کو اپنا فرمانبردار بنانے کے لئے جلد فرات کے حکم کو کنٹرول کرے اور شورش اور بغاوت کے سوتیلوں پر جس کے راستے تبدیل کرے تاکہ وہاں کے لوگ انگریزوں کے استعماری مقاصد کو ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

میں ایک بری سوداگر کے گھس میں ٹوٹا ہوا اور وہاں کے شیعہ علماء سے مصروف ہو جانے کے لئے ان کی دسی بھنوں اور مباحثہ کی محفلوں میں شرکت کرنے لگا۔ محفلیں بیشتر موافقت مجھے اپنے اندر جذب کر لیتی تھیں کیونکہ ان میں قلب و ضمیر کی پاکیزہ فرمائشیں۔ میں نے شیعہ علماء کو انتہائی پاک دامن اور بیسزگار پایا لیکن انہوں نے ان میں زمانے کی تبدیلی کے اثرات کا فقدان تھا اور وہاں کے انتظامات نے ان کی فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔

(۱) تب تک علماء اور مراجع عظمیٰ و کرام کے شدید مخالف تھے اس لئے نہیں کہ وہ کسی تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ظالم تھے اور عام ان سے خوش تھے اور اپنی جنات کے لئے ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

(۱) دلوک اپنا تمام وقت درس و تدریس اور دینی علوم و مباحثہ پر صرف کرتے تھے اور قرون وسطیٰ کے پادروں کی طرح انہیں جدید علوم سے دلچسپی نہیں تھی اور اگر کچھ جانتے بھی تھے تو وہ ان کے لئے نہ تھے۔

(۲) انہیں دنیا کے سیاسی واقعات کا قطعاً علم نہ تھا اور اس قسم کے مسائل پر سوچنا ان سے بڑا ایک بالکل غیبت اور بیوقوف تھا۔ انہیں دیکھ کر میں آپ ہی آپ کہتا تھا: واقعی یہ لوگ اپنے بد بخت ہیں۔ دنیا جاگ چکی ہے مگر یہ ابھی خواب فرگوشی ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی بیوقوف فوج ہی ان کو اس خواب کراں سے بیدار کرے۔ میں نے بعض علماء سے ملازمت کیا یہ کے خلاف تحریک چلانے پر گفتگو کی لیکن انہوں نے اپنی طرف سے دلی رد عمل نہ دیا۔ انہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ اس قسم کے مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ بعض لوگ بہرہ راق اڑاتے تھے اور میری بات کا یہ مفہوم نکالتے تھے کہ میں دنیا کے حالات کو دیکھوں اور نظام عالم کو برہم کرنا چاہتا ہوں۔ ان علماء کی نظر میں خلافت مقدمہ و موضوع تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انہیں ظہور مجددی سے پہلے آل عثمان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ مہدی موعود شیعوں کے ہارویں امام ہیں جو کچھ ہی میں یہ وہ غیب میں اپنے گئے ہیں اور ابھی تک زندہ ہیں۔ آخری زمانے میں ان کا ظہور ہوگا اور وہ اس وقت دنیا کو بدل و انصاف سے بھر دیں گے جب وہ مکمل طور پر ظلم و زیادتی سے بھر چکی ہوگی۔

میں اس مروجہ کا عقیدہ دیکھنے والے اسلامی دانشمندان کے بارے میں سخت متوجہ رہا تھا۔ ان کا عقیدہ دہمید قسری سیاستوں کا عقیدہ تھا جو قیام عدل کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگشت کے قائل تھے۔ میں نے ایک عالم سے پوچھا کیا آپ کا یہ عقیدہ وہ نہیں ہے کہ کبھی ظلم و زیادتی کی غلط فہم و راہ بروی میں اسلام کو بدل دینا چاہئے؟ بالکل اسی طرح اس طرح شیخ اسلام (رحمۃ اللہ علیہ) نے انہوں کی خلاف چہا کیا تھا؟

منہوں نے فرمایا: پیغمبر اکرم (ﷺ) کو خدا نے اس کام کے لئے مامور کیا تھا اور اسی لئے ان میں اس کام کو انجام دینے کی توانائی تھی۔

میں نے کہا: کیا قرآن یہ نہیں کہتا: "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہارا مددگار ہوگا" (ان تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ) (سورہ محمد، آیت ۷)۔ لہذا تم بھی اللہ کی طرف سے ظالموں کے خلاف قیام رکنے پر مامور ہو گے۔

آزاد کا رنج ہو کر اس نے کہا: "تم ایک تجارت پیشہ آدمی ہو اور ان موضوعات پر گفتگو کے لئے ایک سلسلہ علم کی ضرورت ہے جس کے لئے تم مناسب نہیں ہو۔"

اب زما نجف کی طرف آئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روضہ کے بارے میں گفتگو کریں۔ بڑی پر شکوہ دار مظلمت آرمگاہ ہے۔ پوری عمر تضاوی، افغانی، آئینہ کاری اور مختلف حیلانوں کا یہ مثال بنا چکا ہے۔ اطراف مزار بڑے بڑے پر شکوہ کرے، طائلی ناب کا عظیم گنبد دوسرے کے دیوار ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ شیعہ حضرات ہر روز گمراہ دور گرد و روضہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور وہاں کی نماز جماعت میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے والہانہ انداز میں اخلاق و ارادت کا مجسمہ بن کر ضرع کو بوسہ دیتے ہیں۔ داخلہ سے پہلے کا طاقان امام روزا زے پر خود کو گرا دیتے ہیں اور بڑے احترام سے ہار گئی زمین کو چومنے لگتے ہیں۔ پھر امام علی رضی اللہ عنہ پر دو رو پیچتے ہیں اور ان کا قول یہ چہ کہ حرم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حرم کے چاروں طرف ایک عظیم نشان مچھن ہے جس میں بہت سے کمرے بنے ہوئے ہیں جو علامہ دین اور مزارین حرم کی اقامت گاہ ہیں۔

کر بلائے حقیقی میں دو مشہور آرمگاہ ہیں جو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نجف میں واقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آرمگاہ کے طرز پر بنائی گئی ہیں۔ پہلی آرمگاہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اور دوسری حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ گربا کے ترائیں بھی

ہیں۔ اس طرح روزانہ حرم میں حاضری دیتے ہیں۔ اور امام کی زیارت کرتے ہیں۔ کر پاؤں کی طرف سے زیادہ خوش منظر ہے۔ چاروں طرف ہرے بھرے خوشنما باغات اور ان کے درمیان دریا کے بہتے پانی نے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

ان شہروں کی ویرانی اور شہتہ حالی نے ہماری کامیابی کے سوانح فراہم کر رکھے تھے۔ لوگوں کی حالت زار دیکھ کر یہ اندازہ لگا یا جاسکتا تھا کہ عثمانی حکام نے ان شہروں کے رہنے والوں کے ساتھ کچھ کن جراثیم کا کاروبار کیا اور کبھی کبھی زیادتیاں کیں۔ یہ لوگ بڑے نادان، لاعلمی، اور خود مرستہ اور جو چاہئے تھے کر گزرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق کے لوگ امن کے زور پر غلام ہیں۔ پوری قوم حکومت سے نالاں تھی اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شیعہ حضرات اپنی آزادی چھین جانے کے باوجود حکام کے ظلم و ستم کو سہرہ سکون کے ساتھ سہہ رہے تھے اور کوئی رول ٹاٹ نہیں کر رہے تھے۔ ان سنت حضرات کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لوگ اپنی سر زمین پر گورنر کے تسلط سے بہت ناخوش تھے خاص طور پر جبکہ ان کی دگوں میں عرب اشرافیت کا خون دوڑ رہا تھا۔ ادھر خاندان رسالت سے وابستگی رکھنے والے افراد حکومتی انتظامات میں اپنے آپ کو عثمانی گورنر سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔

تمام بحقیق و میرا نہیں۔ مگر وہ باریستی والوں کا مفکرور بن چکا تھا۔ ہر طرف بد نظمی کا دور دورہ تھا۔ واستوں پر نصیرے کا نہیں تھے اور اس ناک میں بیٹھے رہتے تھے کہ حکومت کی سرپرستی سے آؤ کوئی قافلہ وہاں سے گزرے اور وہ انہیں کوٹنا شروع کر دیں لہذا بڑے بڑے قافلے صرف اسی وقت منزل مقصود تک پہنچ سکتے تھے جب انھیں مسلح آدمیوں کے ذریعے حکومت کی حمایت حاصل ہو۔ دوسری طرف قبائلی جہاز ہوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر حملہ آور تھا اور قتل و غارتگری کا بازار گرم نہ ہوتا ہو۔ روزانہ کی افزائش و سست کے گھٹات اتر جاتے تھے نادانی اور بے علمی نے

پورے عراق کو عجیب طرح اپنی لپیٹ میں رکھا تھا۔ یہ واقعات قرون وسطیٰ میں یاد یوں کے دور کی یاد تازہ کر رہی تھے۔ صرف نجف اور کربلا کے علماء اس سے متشغیل تھے یا پھر کسی مذہب طالب علم یا دولتمند جس کا ان علماء سے میل جڑی تھا ورنہ سب کے سب جاہل تھے۔ ملکی اقتصاد کا پیہ جام دو گیا تھا اور بیماری، جیڑ و گاری، جیالت اور بد بختیوں نے شدت سے متوسط لوگوں کو گھروں سے نکال دیا تھا۔ محنت کا شیرازہ کھرچکا تھا۔ ہر طرف ایک جنگ جاکھ چھا حکومت اور عوام کے درمیان مناسبت کی کمی تھی اور دو ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تھا اور ان میں خدائے علما کے وسیع مسائل میں اس طرح غرق تھی کہ دنیا کی زندگی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ زمین جنگ اور کھیتیاں اجاڑ گئیں۔ دجلہ و فرات کے دونوں زبیا کھیتیاں کو سیراب کرنے کی بجائے ایک شدت سرمہبان کی طرح بیابانی زمینوں کے بیچ سے بسرعت گزر رہے تھے۔ ملک کی پناہ خفیں حالی تھیں ایک انقلاب کا جھلک خیر تھی۔

مختصر یہ کہ میں نے کربلا اور نجف میں چار مہینے گزارے۔ نجف میں، میں ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ صبح کی آس نوٹ گئی۔ تینا غصے تک میری حالت بہت بری ہو گئی۔ آخر کار مجھے شہر کے ایک ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ اس نے مجھ سے لیے کچھ دوائیں جو بڑا کھیں جن کے استقبال سے میں بکدر توجہ بہتر ہوتا چلا گیا۔ اس سال گرمی بھی بڑی شدید اور ناقابل برداشت تھی اور میں نے اپنی بیماری کا تمام وقت ایک تہ خانے میں گزارا جو کسی قدر پرسکون اور خنڈا تھا۔

میرا مالک مکان میرے رہنے ہوئے مختصر مہینے سے میرے لیے دوا دار اور کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داروں کی خدمت کو نظر رہا۔ الٹی کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ بیماری کے ابتدائی دنوں میں میری تندرست کا سوپ تھا لیکن بعد میں ڈاکٹر کی اجازت سے میں نے گوشت اور چاول بھی استعمال کرنا شروع کیا۔ بیماری سے کسی

ق رات تو رات کے بعد میں بغداد روانہ ہو اور وہاں جا کر میں نے کربلا، نجف، مدینہ اور بغداد سے متعلق اپنے مشاہدات کو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے لیے رقم کیا اور لندن بھیجنے کے لیے اسے بغداد میں مذکور وزارت کے نمائندہ کے سپرد کیا اور اپنے رکنے یا لندن واپس جانے سے متعلق اسے دکھاتے دکھا کر میں پیشاب۔ یہاں یہ بات بھی بتاؤ چلوں کہ میں واپس کے لیے بہت سے چھپنے تھا کیونکہ اپنے دل میں، خاندان اور عزیز و اقارب سے چھوٹے مجھے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ خاص طور پر دوسرے راجہ بھٹن کا خیال آ رہا تھا جو میری عراق روانگی کے کچھ عرصے بعد ہی اس دنیا میں وارد ہوا تھا۔ اس فوجیوں کی یاد مجھے بہت سے چھپنے کر رہی تھی۔ اسی باعث میں نے ایک درخواست میں ایک مختصر مہر جس کے لیے واپس لندن آنے کی اجازت چاہی تھی۔ مجھے عراق میں تینا سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ بغداد میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نمائندہ کا اصرار تھا کہ میں بارہا اس کے پاس نہ جاؤں کیونکہ اس طرح ممکن ہے لوگ مجھے ملک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور وہی بات کو بد نظر رکھتے ہوئے میں بد چلے کہ قریب ایک مسافر خانے کو اپنا گھنا ٹاٹا بنا یا لو یا دیاتی علاقوں کی وزارت کے نمائندہ نے کہا تھا کہ لندن سے جواب آتے ہی مجھے باخبر کر دیا جائے گا۔

بغداد میں انصاف سے کہ دو دن میں نے اس شہر کا علم ہاتھوں میں لٹائی حکومت کے پانچ تخت "قططیہ" سے موازنہ کیا تو مجھے ان دونوں میں نمایاں فرق محسوس ہوا جو عربوں کی نسبت عجمیوں کے برخلاف غلاحت اور گندگی کا مسکن بنانے میں کسی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

بصرہ نے کربلا اور نجف کی طرح کے چند ماہ بعد مجھے شہر محمد بن عبدالوہاب شہری کا خیال آیا۔ میں اس کی طرف سے براہ راست تھا۔ میں نے اس پر بڑی محنت کی تھی لیکن مجھے اس پر کچھ نہیں تھا کیونکہ وہ وطن مزاج واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے کبھی بڑا بیڑ تھا اور زاراہی راست پر آئے سے باہر ہو جایا کرتا تھا۔ ان خصوصیات کے پیش نظر مجھے دھڑکا



تھا کہ کہیں میری محنت کا رستہ نہ جائے اور جس خواہش کو میں ایک عرصہ سے اپنے سینے میں لیے بغیر رہا تھا اس پر پانی نہ بھر جائے۔

جس دن میں ابھرہ کی صحت روانہ ہو رہا تھا وہ ترکی جانے پر ابھرتھا کہ وہاں جا کر اس شہر کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ میں نے بڑی سختی سے اسے اس سفر سے باز رکھا اور کہا: مجھے دے کہ تم وہاں جا کر کوئی ایسی اعلیٰ سید کی بات نہ کر بیٹھو جس سے تم پر کفر والہ کا الزام عائد ہو اور تمہارا خون رائیگاں چاہے لیکن یہی بات یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جا کر وہ بعض علما سے لاسدب سے کوئی رابطہ قائم کرے کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ لوگ اپنی حکام ویلاؤں کے ذریعے دوبارہ اسے اپنے جال میں نہ پھانس لیں اور میرے تمام منصوبے دھڑے دھڑے کھرے ہو جائیں۔

جب میں نے دیکھا کہ نین عبدالہاب نجدی ابھرہ جانے پر مصر ہے تو مجبوراً میں نے اسے ایران جانے پر ابھارا کہ وہاں جا کر وہ شیراز اور مہلبان کی سیر کرے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان دونوں شہروں کے رہنے والے شیوخ مذہب کے پیروکار ہیں اور یہ بات ایجاد قیاس تھی کہ شیخ ان کے عقائد سے متاثر ہو۔ مجھے اس بارے میں پورا اطمینان تھا کیونکہ میں شیخ کو وہی طرح جانتا تھا۔ رخصت کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا: "تقیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا: "دوست ہے کیونکہ وہ غیر آکر مہلبان کے ایک صحابی عثمان ان مشرکین کے ذریعے جنوں نے ان کے ماں باپ کو قتل کر دیا تھا اپنے آپ کو شرمک ظاہر کرتے رہے اور ختمی مرتبت <sup>علیہ السلام</sup> نے جناب علی اسد رضی اللہ عنہ کی اس روش کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔"

میں نے اس سے کہا: "تم بھی وہاں سب سے کمایران جا کر آئیے کہ وہاں لوگ اپنے آپ کو خاص شیخ ظاہر کر دتا کہ اعترافات سے بچے ہو اور علانیہ صحبت بھی تمہیں حاصل

رہے اور ساتھ ہی ساتھ ایرانیوں کے آداب و رسوم بھی تم پر مکمل جا نہیں سکتے۔ اس لئے وہاں کر یہ احتیاط تمہارے لئے نہ کام آئیں گی اور جن میں اپنے مقاصد میں بڑی کامیابی عطا کریں گی۔

اس گفتگو کے بعد میں نے اسے کچھ رقم "زکوٰۃ" کے عنوان سے دی۔ زکوٰۃ ایک طرح کا اسلامی ٹیکس ہے جسے سرمایہ داروں سے وصول کیا جاتا ہے تاکہ اس آمدنی کو امت کی قلاع و بھور پر خرچ کیا جائے۔ جاتے ہوئے میں نے اسے بتایا تھا کہ اسے ایک گھوڑا خرید کر دیا کیونکہ اسے اس کی منت ضرورت تھی اور پھر میں اس سے الگ ہو گیا اور اس دن سے اب تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہیں معلوم کہ اس پر کیا ہوا ہوگا۔ مجھے زیادہ تشویش اس لیے بھی تھی کہ ہم نے ابھرہ سے نکلے وقت یہ طے کیا تھا کہ میں واپس ابھرہ دینی چاہتا ہے اور اگر ہم میں سے کوئی وہاں نہ پہنچ سکے تو اپنی کیفیت "عبدالرضا زکھان" کو لکھ بھیجے تاکہ دوسرا اس سے باخبر ہو کر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی۔

کچھ عرصہ انتظار کے بعد بلاخبرو آبادیاتی علاقوں کی وزارت سے ضروری احکامات بغداد پہنچے اور میری حکومت نے مجھے فوری طور پر طلب کیا۔ لندن پہنچتے ہی لو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری اور علی عبدالہابوں کے ساتھ ہم نے ایک کمیشن تشکیل دیا۔ میں نے اس جلسہ میں اپنے فرائض، اقدامات اور مصلحتات پر بتی رپورٹ کو لندن حکام کے سامنے پیش کیا اور انہیں بنی امور میں کی کیفیت سے بھی آگاہ کیا۔

عراق سے متعلق میری فراہم کردہ معلومات اور میری کارگزاریوں نے سب کے دل جیت لیے تھے۔ پہلے بھی عراق سے میں نے کئی رپورٹیں ان کے لیے روانہ کیں تھیں۔ اور ان سب سے وہ مطمئن تھے۔ آخر صبیح نے بھی ایک رپورٹ کبھی شنی جو پہلی طرح میری رپورٹ کی تائید کرتی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وزارت خانہ نے میری حکمرانی کے لیے کچھ خصوصی افراد میرے پیچھے لگا رکھے تھے جو سفر و حضر میں شہ پر نگاہ رکھتے

تھے۔ ان افراد نے بھی اپنی رپوں میں میرے طرز عمل اور دلچسپی سے وضاحت کا اظہار کیا تھا اور ان رپوں کی تقدیر ان کی جتنی خوشی نے لندن بھیجیں تھیں۔ اس مرتبہ کی طور پر میدان میرے ہاتھ میں تھا۔ اور سب مجھ سے خوش تھے۔ یہاں تک کہ اس دور کے بیکروزی نے وزیر سے میری ملاقات کے لیے وقت لیا اور میں اس کے ساتھ وزیر سے ملنے گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وزیر کے چہرے پر ایک گونہ غفلت آگئی اور بڑے پر تپاک انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ یہ ملاقات گزشتہ کی بے جان ملاقاتوں سے بیکر مختلف تھی جو اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اس کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کر لی ہے۔

وزیر خاص طور پر میری اس مہارت کا اعتراف تھا جس کی بنیاد پر میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اپنے جیسے میں کر لیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے اپنی گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا: ”مجھ بن عبدالوہاب پر تسلط آبدیاتی وزارت کا سب سے اہم مسئلہ تھا۔“ اس نے بڑی شدت سے یہ تاکید کی تھی کہ میں محمد بن عبدالوہاب کو ایک معظّم منصوبے کے تحت ان امور سے آگاہ کروں جنہیں آئندہ چل کر اسے عارضے لیے انجام دینا ہے۔ وہ بار بار اس بات کا اعتراف کر رہا تھا کہ تقسیم برطانیہ کے لیے میری تمام خدمات شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسے شخص کی جستجو اور اس پر اجاڑ و نفوذ قائم کرنے کے مقابلے میں پانچ گنی بھی نہیں۔ تو آبدیاتی علاقوں کے وزیر کو چاہیے کہ یہ معلوم ہو کہ میں محمد بن عبدالوہاب کی گمشدگی کے بارے میں بیرو پریشان ہوں تو اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ تم نے جو کچھ شیخ کو پڑھا یا عقائد انہی تک اسے یاد ہے اور تمہارے آدنی اصفیاں میں اس سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی رپوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابھی تک اپنی دگر بن قائم ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: شیخ نے اپنے اس غرور و نخوت کے ساتھ انگریز جاسوس کو کیوں کھل جازت دی ہوگی کہ وہ اس بات کے بارے میں معلومات

دارم کر لیں۔ اس وقت پر وزیر سے بات چیت کرتے ہوئے مجھے شرف محسوس ہوا کہ میں دارم مان جائے۔ چند تین شیخ سے دوبارہ ملاقات پر مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اور اس نے بار بار کہہ دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اصفہان میں اس کی دوستی عبدالکریم کاظمی ایک شخص سے ہوئی جو اپنے آپ کو اہل قہم ظاہر کرتا تھا اور اس نے شیخ پر اپنا سکہ بٹھا کر اس کے تمام راز و معلوم لے لیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مدینہ بھی کچھ عرصے بعد مکمل ہوئی آئی اور اس نے مزید وہ سب لے لیے شیخ سے متعلق کہیں نہ کہیں راز کے طر میں وہ اس کے ساتھ نہیں تھی بلکہ عبدالکریم نے اسے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ شیراز میں عبدالکریم نے شیخ کے لیے صلیب سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی کا انتظام کیا تھا اور وہ شیراز کے ایک یہودی خاندان کی حسین و جمیل لڑکی تھی جس کا نام آسیہ تھا۔ عبدالکریم اصفہان کے ایک مادر پدر آزاد بیسائی کا ایک دشمن تھا اور وہ بھی آسیہ کی طرح ایران میں برطانیہ کی آبدیاتی علاقوں کی وزارت کا ایک قدم بلامقام تھا۔

مختصر یہ کہ عبدالکریم مدینہ آسیہ اور میں نے مل کر اپنی راست دلی کی کوششوں سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو آبدیاتی علاقوں کی وزارت کی خواہشات کے تین مطابق ڈھالا اور آئندہ کی پانچ کور و پٹیل لائے۔ ان کی ذمہ داری اٹھانے پر آمادہ کیا۔ یہاں یہ تک بھی قابل ذکر ہے کہ وزیر سے ملاقات کے موقع پر بیکروزی کے علاوہ وزارت کے دو اعلیٰ عہدیدار بھی وہاں موجود تھے۔ جنہیں اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا۔ وزیر نے اجلاس کے اختتام پر مجھ سے کہا: ”اب تم انگلستان کی نوآبدیاتی علاقوں کی وزارت کے سب سے بڑے اختیاری نظائن کے حق دار ہو اور وہ اعزاز یہ ہے جسے ہماری حکومت صرف اول کے جاسوس کو دیا کرتی ہے۔“ وہ اپنی پرس سے قلمی امداد میں کہا: ”میں نے بیکروزی سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں حکومت کے بعض ”مشیدہ“ اور ”رازداران“ مسائل سے آگاہ کرے تاکہ تم اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکو۔“

وزیر کی خوشنودی کے سبب میری دکن کی چھٹی سفیر ہوئی اور مجھے اپنی بیوی اور ایک عدد بچے سے ملنے کا موقع ملا۔ میرا ان کا جواب تین سال کا ہو چکا تھا، بالکل میرا ہم شکل تھا اور بعض الفاظ بڑے ٹھیکے انداز میں بولنے لگا تھا۔ اس نے چنانچہ سیکھ لیا تھا۔ میں حقیقتاً اپنے دل کے کڑے وزیرین پر چلنا پھرنا محسوس کر رہا تھا۔ انہوں نے خوشی کے یہ لحاظ بڑی تیزی سے گزور رہے تھے۔ میری اور بچے کے ساتھ گزرنے والے لحاظ واقعی ناقابل بیان ہیں۔ اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے آگے بچھ گئیں۔ میری ایک عزیز صیدہ بچی تھی جس کی مجھ پر بھینچ ہی سے لوازمات اور مہربانیاں رہتی ہیں۔ میں اس سے مل کر کس قدر خوش ہوا، اس کا انداز کسی کو نہیں آ سکتا۔ میری اس سے یہ آخری آقا تھی اس لیے کہ دکن میں کی چھٹیوں کے بعد جب میں تیسری مرتبہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تو نہایت انہوں نے ساتھ مجھے اس کی موت کی اطلاع ملی۔

میری دکن کی یہ چھٹیاں بالکل جھپٹنے لگی تھیں۔ یہ ایک حق حقیقت ہے کہ زندگی کے پرستار لحاظ ہمیشہ بڑی تیزی سے گزرتے ہیں اور مصیبت کی گھڑیاں اپنے دامن میں سالوں کا حاصل رکھتی ہیں۔ لیکن ان کے پرستار لحاظ میں، میں نے اپنی بھینچ کی بیماری کو یاد کیا جس کا جبروت میرے لئے ایک صدی بن گیا تھا۔ میں کسی طرح بھی مصیبت کے ان ایام کو بھلا نہیں سکتا۔ خوشی کے لحاظ کو اتاروا نہیں کہ وہ مصائب کے دوا کی کوئت کو یادوں کے درجوں میں نہ آئے۔ دکن میں کی چھٹیاں منانے کے بعد آئندہ کے لئے محنت سے باخبر ہونے کے لئے دکن کو استواریت فرمائے گیا۔ مگر طری سے ملاقات کے موقع پر میں نے اسے ہمیشہ کی طرح خوش و خرم پایا۔ اس نے مجھ سے بڑی گرجائی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور دستاویز لکھ میں کہا:

آبادیانی امور کے خصوصی کمیشن کی مرضی کے مطابق وزم سے خود مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مہینوں اور امور روز سے آٹھ کروں۔ ان روزوں سے واقفیت آئندہ کے پرہیزوں

میں تمہارے لئے بہت مفید ثابت ہوگی اور ان دواؤں سے تمہارا باقی عاتوں کی وزارت کے صرف چند ایک ممبران ہی باخبر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ وزارت خانہ کے ایک کمرے میں لے گیا جہاں کچھ لوگ ایک گول میز کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھ سے میری بیچ نکلتے نکلتے رو گئی۔

وزیر کے ساتھ میں جس کمرے میں گیا، اس میں موجود افراد کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ:

(۱) وزیر بہ سلطنت عثمانی کا جلالت افروز دیکھ کر تیز کی اور انگریزی زبانوں پر بڑی مہارت سے مسلط تھا۔

(۲) قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کی دوسری حقیقت سے قریب تصویر۔

(۳) شہنشاہ ایران کا زائدہ مجسمہ۔

(۴) دربار ایران کے شیعہ عالم کی مکمل تصویر۔

(۵) نجف میں شیعوں کے مرجع کا بے شل سراپا۔

یہ آخری تین افراد فارسی اور انگریزی زبانوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ سب کے نزدیک ان کے پرانیہ سے بکھری براہ ان تھے جو ان کی زبان کا نولے بنا کہ حاضرین کے لیے اس کا ترجمہ پیش کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام پرانیہ سے بکھریوں کا کسی زمانے میں مذکورہ پانچ شخصیتوں سے بہت قریب کا رابطہ رہ چکا تھا اور ان کی مکمل رچوت کے تحت ان پانچ ہم خیال افراد کو بعد تمام نانات و خصال کے ساتھ خارجی و داخلی اعتبارات اسلی افراد کی مکمل تصویر بنایا گیا تھا۔ یہ پانچوں سوانگی اپنے شہنشاہ اور تمام منصب سے بخوبی آشنا تھے۔ بکھری نے آواز دین کر کے جوئے کہا: ان پانچ افراد نے اسلی شخصیتوں کو بہرہ پر بھر رکھا ہے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کس طرح کی سوچ رکھتے ہیں اور آئندہ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ ہم نے استنبول، تبریز، اور نجف کی مکمل اطلاعات انہیں

فرہم کر دی ہیں۔ اب وہ اپنی اہلیت کرائی کو حقیقت پر محمول کیے بیٹھے ہیں اور اسی احساس کے ساتھ اپنی حاصل کردہ معلومات سے ہمارے سوالات کو جواب فراہم کرتے ہیں۔ جاری جانے پر سوال کے مطابق ان کے سر بعد جوابات حقیقت کے عین مطابق یا یوں کہیے کہ اصلی شخصیتوں کے افکار سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ٹیکر ٹری نے اپنی گفتگو کے دوران مجھے مخاطب کر کے کہا: "اگر تم چاہو تو اس میں کسی کا امتحان لے سکتے ہو۔ مثال کے طور پر نجف کے شیعہ مرجع تقلید سے جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

میں نے کہا بہت اچھا اور نو راہی کچھ سوالات پوچھ ڈالے۔

میرا پہلا سوال یہ تھا: "قبائلیہ کہہ چکا ہے کہ آپ اپنے مقلدین کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ نئی فتاویٰ حکومت کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں اور ان کے خلاف اعلان جنگ کریں؟" نقلی موگی مرجع تقلید نے کچھ دیر سوچا اور کہا: "میں مطلق جنگ کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ وہ نئی مسلمان ہیں اور قرآن کی آیت کہتی ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" صرف اس صورت میں جنگ جائز ہے جب مثالی حکمران ظلم و ستم پر اتر آئیں۔ ایسی حالت میں امر بالمعروف اور نہی منکر کے تحت ان سے جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ وہ بھی اس وقت تک جبہ ظالم ذائل نہ ہو جائیں اور ظالم ظلم سے باز نہ آجائے۔"

میں نے پھر دوسرا سوال پوچھا: "حضور والا ایہودیوں اور عیسائیوں کی منجاست کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ لوگ واقعی ناپاک ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں، یہ دونوں فرجے سلباً نہیں ہیں اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا: "اٹلی کی کیا وجہ ہے؟"

اس نے جواب دیا: "یہ دراصل سادیہ سلوک کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ بھی ہمیں کافر گردانتے ہیں اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے پوچھا: "پیغمبر اکرم ﷺ کی صفائی سے متعلق اتنی تاکیدات نے بعد صفائی ایمان کی علامت ہے، پھر کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ مطہر اور تمام بازوؤں میں اس قدر گندگی پھیلی رہتی ہے؟"

مرجع تقلید نے جواب دیا: "بے شک اسلام نے صفائی اور صفائی کو ایمان کی دلیل بنانا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ عثمانی حکومت کے اعلان کی پہلے اور پانی کی قلت نے یہ صورت پیدا کی ہے۔"

دیکھ پ بات یہ تھی کہ اس عبادی مرجع تقلید کی آدمی اور حاضر جو اپنی نجف کے حقیقی مرجع تقلید کے عین مطابق تھی۔ لفظ عثمانی حکومت کے اعلان کی پہلے تو جی کی بات اس نے اپنی طرف سے اس عین مطابق تھی کیونکہ نجف کے عالم کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا گیا تھا۔ بہر حال میں اس ہم آہنگی اور مشابہت پر سخت متحیر تھا کیونکہ تمام جوابات بعد اصل مرجع تقلید کے بیانات تھے جسے اس نے فارسی میں پیش کیا تھا یہ مرجع بھی فارسی میں گفتگو کر رہا تھا۔ ٹیکر ٹری نے مجھ سے کہا: "دیکھ چار افراد سے بھی چار سوالات کر سکتے ہو۔ یہ چاروں افراد بھی جنہیں اصلی شخصیتوں کی طرح جواب دیں گے۔"

میں نے کہا کہ میں استنبول کے شیخ الاسلام احمد آفندی کے افکار اور بیانات سے بخوبی واقف ہوں اور اس کی باتیں بہرے حائل میں محفوظ ہیں۔ آپ کی اجازت سے میں اس کی اہم شکل سے گفتگو کروں گا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا: آفندی صاحب کیا عثمانی فلسفہ کی اطاعت واجب ہے؟"

اس نے کہا: "ہاں میرے خیال میں اس کی اطاعت خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرح واجب ہے۔"

میں نے پوچھا: "کس دلیل کی بنیاد پر؟"

اس نے جواب دیا: ”کیا تم نے یہ آیت کریمہ نہیں مانی ہے کہ: ”خدا اس کے رسول (ﷺ) اور ولی الامر کی اطاعت کرو۔“

اَحْكُمُوا فِي الشَّيْءِ الَّذِي تُلْقُونَ فِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۃ نساء آیت ۵۹)  
میں نے کہا: ”اگر خلیفہ ولی الامر ہے تو کیا خدا نے ہمیں یہ بید کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ وہ اس وقت کا خلیفہ تھا حالانکہ اس نے مدینہ کی ناراضی کا حکم دیا تھا اور سبط رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور جدو جہد علیہم کس طرح ولید کی اطاعت کا حکم دے گا جبکہ وہ شراب خور تھا؟“ اعلیٰ شیخ الاسلام نے جواب دیا۔

”نہرے بچے اپنا پاپ اللہ کی طرف سے مومنوں کا میرا حق نہیں قتل حسین میں اس سے خلا ہو گئی تھی جس کے لیے بعد میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ مدینہ میں قتل و غارتگری کا سبب وہاں کے لوگوں کی سرکشی اور بیزاری کی اطاعت سے انحراف تھا جس میں بڑے بڑے کوئی قصور نہیں تھا۔ اب رہ گیا ولید تو اس میں شک نہیں کہ وہ شراب پیتا تھا لیکن شراب میں پانی ملا کر پیتا تھا تاکہ اس کی مستی ختم ہو جائے اور یہ اسلام میں جائز ہے۔“

میں نے کچھ عرصہ قبل استنبول میں حرمت شراب کے متعلق مسئلہ کو وہاں کے شیخ الاسلام شیخ احمد سے دریافت کر لیا تھا۔ اس کا جواب کچھ اختلاف کے ساتھ لندن کے اعلیٰ شیخ الاسلام کے جواب سے ملتا جلتا تھا۔ میں نے اہل مدینہ کی ایسی شہرت تیار کرنے کی کوششوں کو سراہتے ہوئے تذکرہ فرمایا: ”پوچھا: ”آفراس کس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”اس طرہ ہم بادشاہوں اور موزی شیعوں علماء کے افکار اور ان کے میلان طبع سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان مکالمات کو پرکھا جاتا ہے اور ان سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اور پھر ہم علاقے کو نئی اور سیاسی مسائل میں دخل اندازی کرتے ہیں مثلاً اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں عالم یا فلاں بادشاہ علاقہ کی مشرقی سرحدوں میں ہم

سے حمایت پر اتر آیا ہے تو ہم اس کو ناکارہ بنانے کے لیے ہر طرف ستائیوں کو اس مت میں مرکوز کر دیتے ہیں لیکن اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارا حقیقی دشمن کس مقدمہ پر سرگرم عمل ہے تو ہمیں اپنی توانائیوں کو علاقہ کے چبے چسے میں پھیلنا پڑتا ہے۔ مذکورہ عمل ہمیں اس بات میں بھی مدد دیتا ہے کہ ہم اسلام کے احکام و فرامین میں سے ایک فرقہ مسلم کے طرز استنباط کو سمجھیں اور زیادہ مطلق مطالب فرما سکیں اور اس کے عقائد کو باطل قرار دیں۔ اختلافات و تفرقہ گری گمراہ اور مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل پیدا کرنے کے لیے اسی طرح کے اقدامات بجا ہونا ضروری پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد بیکری نے مجھے ایک ہزار صفحوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مطالعہ کے لیے دی۔ اس کتاب میں اصلی اور نقلی افراہ کی گفتگو تجزیہ اور مقالوں کے نتائج سے متعلق اعداد و شمار درج تھے اور مجھے حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر اسلامی دینا پس فوجی، دینی تعلیمی اور مذہبی مسائل سے متعلق حکومت برطانیہ کے مرتب شدہ پروگراموں سے واقفیت حاصل کرنا تھی۔

بہر حال میں کتاب گھر لے گیا اور عین جھگڑے کے عرصے میں بڑی توجہ کے ساتھ شرواع سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اور مقدمہ عدت میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو واپس دے آیا۔ کتاب واقعی بڑی محنت سے تیار کی گئی تھی۔ اس میں صاحبان علم صاحبان سیاست اور اسلام کی دینی شخصیتوں کے عقائد و نظریات کے بارے میں اہل خوبی سے بحث کی گئی تھی اور نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ پڑھنے والا دلچسپ رہا تھا۔ مترجمہ مباحث حقیقت پر منطبق تھے جبکہ مترجمہ میں اختلاف تھا کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ میری حکومت اپنے عمل میں کامیاب ہوگی اور مذکورہ کتاب کی عینین گوئی کے مطابق سلطنت عثمانیہ ایک صدی سے کم عرصہ میں بہر حال ختم ہو جائے گی۔

تذکرہ میری سے بیٹے کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ نوآبادیاتی علاقوں کی

دعوت میں دنیا کے تمام مذاہب کے لیے خواہ وہ استعماری ہوں یا غیر استعماری اس طرح شیعہ سادہ یا فنی روپ کا عمل برہنہ کار لایا گیا ہے اور ان تمام مذاہب کو پوری طرح امتنا کے طبقے میں بکڑنے کے انتظامات مکمل کیے گئے ہیں۔

ٹیکر ٹی نے اپنی گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ وہ پہلا راز ہے جسے اس نے دوسرے حکم کے مطابق مجھے بتایا ہے مگر دوسرے راز کو وہ مذکورہ کتاب کی دوسری جلد کے مطالعہ پر ایک ماہ بعد مجھے بتائے گا۔

میں نے دوسری کتاب سے ذکر اس کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ کتاب پہلی کتاب کو مکمل کرتی تھی۔ اس میں اسلامی مذاہب کی متعلقہ اخلاقیات زندگی کے مختلف مسائل میں شیعہ سنی علماء و افکار جو حکومت کی کمزوری یا قوانین کو نظر کرنے تھی اور مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب وغیرہ پر گفتگو تھی۔ اس کتاب میں ان موضوعات پر بڑی سیر حاصل بحث کی گئی تھی اور مسلمانوں کے کمزور پیلوں یا خائفانہ کے ذرائع کو نمایاں کیا گیا تھا اور ان سے اپنے حق میں لادہ اٹھانے کی تدابیر سمجھائی گئی تھیں۔ اس کتاب میں مسلمانوں کی جن کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ یہ تھیں:

(۱) عقیدہ کی اختلاف

(۲) حکمرانوں کے ساتھ قوموں کے اختلافات

(۳) دیہاتی اور مہنتی حکومتوں کے اختلافات

(۴) تباہی اختلافات

(۵) علماء و حکومت کے عہدہ داروں کے درمیان غلط فہمیاں

(۶) تقریباً تمام مسلمان ملکوں میں جہالت اور نادانی کی فراوانی۔

(۷) فکری جمود اور تعصب اور زمانہ کے حالات سے بے خبری کام اور محنت کی کمی

(۸) مادی زندگی سے بے توجہی، جنت کی امید شہادے سے زیادہ محنت جو اس دنیا میں بہتر زندگی کے راستوں کو بند کر دیتی تھی۔

(۹) خود سر فرماؤناؤں کے ظلم و استبداد۔

(۱۰) امن و امان کا فقدان، شیروں کے درمیان سڑکوں اور راستوں کا فقدان، علاج حالچے کی سڑکوں اور حلقان صحت کے اصولوں کا فقدان جس کی بنا پر علوان یا اس طبی مشدی بیماریوں سے ہر سال آباؤی کا ایک حصہ موت کی نذر ہو جاتا ہے۔

(۱۱) حکومتی دفتروں میں بد انتظامی اور قاعدے قوانین کا فقدان، مقررہ اور وکام شریعت کے اجراء کے باوجود عملی طور پر اس سے بے توجہی۔

(۱۲) شیروں کی دیرانی، آبیاری کے نظام کا فقدان، مزارعت اور کھیتی باڑی کی کمی۔

(۱۳) بیس نامہ اور غیر صحت مندانہ اقتصاد پورے علاقے میں عام غربت اور بیماری کا دور دورہ۔

(۱۴) صحیح تربیت یافتہ فوج کا فقدان، اسلحہ اور دفاعی ساز و سامان کی کمی اور موجودہ اسلحہ کی فرسودگی۔

(۱۵) عورتوں کی حقیر اور ان کے حقوق کی پامالی۔

(۱۶) شیروں اور دیہاتوں کی گندمی، ہر طرف کوڑے کرکٹ کے انبار۔

(۱۷) سڑکوں، شاہراہوں اور بازاروں میں اشیائے فروخت کے پتھرے ہوئے بے تنظیم و غیر منظم۔

مسلمانوں کے کمزور پیلوں کو گنوا لے کے بعد کتاب نے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کیا تھا کہ شریعت اسلام کا قانون مسلمانوں کی اس طرز زندگی سے رتی بڑھ سکتا نہیں کھاتا لیکن یہ بات ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے بے خبر رکھا



ہو سکے اور انہیں خائف و ترس تک نہ پہنچے دیا جائے۔ اس کے بعد کتاب نے بصورت قہرست ان اداکاروں کی طرف بھی اشارہ کیا تھا جو دین اسلام کے اصول و مہانی کو ظاہر کرتے تھے اور ان کی بصورت یہ تھی۔

(۱) وحدت، روح اور بھائی چارہ کی تاکید اور فرقہ سے دوری۔

(۲) تعلیم و تربیت کی تاکید۔

(۳) خجہ اور انکار کی تاکید۔

(۴) ادبی زندگی بہتر بنانے کی تاکید۔

(۵) زندگی کے مسائل میں لوگوں سے دوائے مشورہ کی تاکید۔

(۶) شاہراہیں بنانے کی تاکید۔

(۷) حدیث کی یاد دہانی کی تاکید اور معاہدہ کی تاکید۔

علوم کی چار قسمیں :-

(۱) علم فقہ دین کی حفاظت کے لیے۔

(ب) علم طب، بدن کی حفاظت کے لیے۔

(ج) علم فروع دین کی حفاظت کے لیے۔

(د) علم نجوم دین کی پہچان کے لیے۔

(۸) آباد کاری کی تاکید۔

(۹) اپنے کاموں میں نظم و ترتیب۔

(۱۰) معاشی استحکام کی تاکید۔

(۱۱) جدید ترین اسلام اور جنگی ساز و سامان سے نرس فوجی تنظیم کی تاکید۔

(۱۲) عرقوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے احترام کی تاکید۔

(۱۳) ملائی اور پاکیزگی کی تاکید۔

ان اداکار کے تذکرہ کے بعد کتاب اپنے دوسرے باب میں اسلام کی طاقت و قوت کے سرچشموں کے پیشرفت کے اسباب پر روشنی ڈالتی ہے اور انہیں تین سے دو چار کرنے کے لیے ترقی کی راہوں کے خلاف افادات کوٹا یاد دہانی علاقوں کی وزارت کا اہتمام آغا قرار دیتی ہے اور ترقی کی راہیں یہ تھیں :-

(۱) رنگ و نسل، زبان، مذہب و تمدن اور قومی تھکات کو خاطر میں نہ لانا۔

(۲) سودہ خیر و اندوزی، بدعقلی، شراب اور سود کے گوشت و غیرہ کی ممانعت۔

(۳) ایمان و عقیدہ کی بنیاد پر علمائے دین سے شدید محبت اور وابستگی۔

(۴) موجودہ طیف کی نسبت علامت المسلمین کا احترام اور یہ عقیدہ کہ وہ عقیدہ پر کا جانشین اور

اولی الامر ہے جس کی بنا پر اس کے احکامات کی بجا آوری خدا اور رسول (ﷺ) کے احکامات کی بجا آوری ہے۔

(۵) کفار کے خلاف وجوب جہاد۔

(۶) غیر مسلموں کی ناپاکی پر مبنی اہل تشیع کا عقیدہ۔

(۷) مختلف ادیان اور مذاہب پر اسلام کی بالادستی کا اعتقاد۔

(۸) اسلامی سر زمین پر بیوی اور نصرانی عبادت گاہوں کی تعمیر کے بارے میں شیخ

حضرات کی ممانعت۔

(۹) جزیرہ العرب سے تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے اخلاء پر اکثر مسلموں کا اتفاق۔

(۱۰) اشتیاق کے ساتھ نماز، روزہ اور حج کے فرائض کی انجام دہی میں مداومت۔

(۱۱) شمس کی ادائیگی کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ اور علماء کی طرف سے مستحقین کو

اس رقم کی تقسیم۔

(۱۲) ایمان و اخلاص کے ساتھ اسلام کے دینی عقائد سے دلچسپی۔

(۱۳) گھبریلو ایچ کام کے بنیادی مفہم کے ساتھ بیچوں اور لوہراؤں کی روایتی تعلیم

و حریت اور بیچوں کے ساتھ والدین کے ادنیٰ ارتباط کی ضرورت و اہمیت کا رجحان۔

(۱۴) بخورقوں کو پر دو کی تاکید جو انکس غیر شرعی روابط اور بد عملیوں سے روکتی ہے۔

(۱۵) نازا با جماعت کی ادائیگی اور ہر جگہ کے لوگوں کا دل میں کئی مرتبہ ایک مسجد میں اکٹھا ہونا۔

(۱۶) پیغمبر اکرم، اہل بیت اور علماء کی زیارت گاہوں کی تعظیم اور ان مقامات کو ملاقات اور اجتماع کے مراکز قرار دینا۔

(۱۷) عبادت کا احترام اور رسول اکرم ﷺ کا اس طرح تذکرہ کرنا جو گویا وہ ابھی زندہ ہیں اور دود و سلام کے مستحق ہیں۔

(۱۸) اسلام کے اہم اصولوں کے عنوان سے اسرار بالمعروف اور بحسب النہی کے منکر کا جواب۔

(۱۹) شادی بیاہ، کفر، اولاد اور تعدا و ازدواج کا منتخب ہونا۔

(۲۰) کافروں کی عداوت پر اتنا زور کہ کوئی کسی کافر کو مسلمان کرے تو یہ کام اس کی لیے تمام دنیا کی دولت سے مفید ہو گا۔

(۲۱) نیک عمل انجام دینے کی اہمیت: ”جو کوئی نیک عمل کی پیروی کرے گا اس کی لیے وہ جزائیں مخصوص ہیں۔ ایک خدا اس نیک عمل کی اپنی جزا اور دوسرے اس نیک عمل کو انجام دینے کی جزا“۔

(۲۲) قرآن وحدیث کا بے انتہا پاس و احترام اور ثواب آخرت کے لیے ان پر عمل پیرا ہونے کی شدید ضرورت۔

اسلام کے ان سرچشمہ ہائے قوت کے تذکرہ کے بعد کتاب کے اگلے باب میں ریاضت کے ان حکم سنوئی کو کمزور ماننے کے علمی راستوں پر بڑی محکم دلیلوں کے ساتھ گفتگو کی گئی تھی۔ اس کے بعد بصورت فہرست ان اقدامات کی تاکید کی گئی تھی جن کے

زور سے اسلامی دنیا کو کمزور بنایا جاسکتا تھا اور وہ یہ تھیں:

(۱) بدگمانی اور سوء فہم کے ذریعے شیعوہ و سنی مسلمانوں میں مذہبی اختلافات پیدا

کرنا اور دونوں گروہوں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف اہانت آمیز

اور جہت انگیز باتیں لکھنا اور اتفاق و تقریر کے اس سووند پر غور نام کو رو بہ عمل لانے کے لیے ہماری اخراجات کی ہرگز پروا نہ کرنا۔

(۲) مسلمانوں کو چالاکت اور اعلیٰ کے عالم میں رکھنا۔ کسی عقلی مسئلہ کے قیام کی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دینا۔ علمائے اور شعرا و اشاعت پر پابندی عائد کرنا

اور ضرورت پڑے تو عوامی کتاب خانوں کے نذرانہ لقمی کرنا۔ بیچوں کو بی حد اس میں جانے سے روکنے کے لیے علماء اور مراجع دینی پر پیش لگانا۔

(۳) کافلی چھپانے اور زندگی کی جتنی سے مسلمانوں کو محروم کرنے کے لیے موت کے بعد کی دنیا میں جنگ آمیزی اور جنت کی ایسی توصیف بیان کرنا تاکہ وہ مجسم بن کر

لوگوں کے ذہن و قلب پر چھا جائے اور وہ اس کا حاصل کرنے کے لیے اپنی معاشی جنگ و دو سے دستبردار ہو جائیں اور ملک الموت کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔

(۴) ہر طرف درویشوں کی خانقاہوں کو پھیلانا اور ایسی کتابوں اور رسالوں کی طبعیت بنو لوگوں کو دنیا، مافیہا سے برگشتہ کر کے انہیں محروم بیزاری اور گوش

نشینی کی طرف مائل کریں جیسے غزالی کی احیاء العلوم، مولانا دروم کی مشکوٰۃ، نور محمد الدین عربی کی کتابیں وغیرہ۔

نوٹ: (ان کتابوں کے بارے میں لکھنے والے کا فیصلہ ہے علمی یا بدعتی پڑتی ہے۔ غزالی جیسے متکلمین یا محمد بن عربی اور مولانا جلال الدین رومی جیسے عرفاء کی بیان کردہ تعلیمات

علمی اخلاقی کا ایک سلسلہ ہے۔ فہم کے نزدیک بدعتی یا بدعتی اور مردم بیزاری سے تعبیر کرنا قطعاً درست نہیں۔) (مترجم)

(۵) خود اہل حکمرانوں کی حمایت کے ثبوت میں مختلف احادیث کی اشاعت مثلاً:

”اہل شاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے“ یا پھر یہ روایت کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ بنی امیہ اور بنی عباس سب کے سب ہاتھ ملگوار کے زور سے حکومت کے منصب پر فائز ہوئے اور بڑے شہسیر حکمران یا مستبد کی کاروائی کو ایک تماشے کی ہودت میں پیش کرنا جس کی دوری حضرت عمرؓ (رضی اللہ عنہ) نے تمام رکھی ہو اور اس بارے میں دو اہل قائم کرنا جیسے حضرت علیؓ (رضی اللہ عنہ) کے طرفداروں خاص طور پر آپ کی وجہ تخریب حضرت فاطمہؓ انہما (رضی اللہ عنہما) کے گھر جلاتا نیز یہ ثابت کرنا کہ:

(۱) حضرت عمرؓ کی خلافت، ظاہراً حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور باطناً بنی النعمان کو ذرا دھکا کر عمل میں لائی گئی۔

(۲) حضرت علیؓ (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کی بنیاد پر حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں ذرا ملال طور پر شوریٰ کی تشکیل، جو پھر آخر خلافت، جوش، خلیفہ سوم کے قتل اور حضرت علیؓ کی خلافت پر منتج ہوئی۔

(۳) نکرو حیلہ اور شہسیر کے ذریعے معاویہ کا برسر اقتدار آنا اور اسی صورت میں اس کی پانچیشوں کا اظہار۔

(۴) ابوسلمہ کی قیادت میں سراجی مسلح شورش اور بڑے شہسیر خلافت بنی عباس کا قیام۔

(۵) حضرت ابوبکرؓ سے لے کر عثمانؓ تک کے حکمرانوں کے اس دور تک تمام خلفائے اسلام آمرتے اور یک:

نظام اسلام میں ہمیشہ آمریت کا دور دورہ رہا ہے۔

(۶) ماسخوں میں بدامنی کے اسباب فراہم کرنا۔ بدامنی پیش افروہ کی مدد سے شہروں اور دیہاتوں میں فتنہ و فساد برپا کرنا اور مفسدوں فساد یوں اور ڈاکوؤں کی پشت پر اسی کا رونا و زنجیں استقامت اور قہم فراہم کر کے ان کی مدد کرنا۔

(۷) مغلطان صحت کی کوششوں میں آڑے آنا اور چیری اور قدری انکار کو ترجیح دینا

اور یہ بتانا کہ ہر پنجہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پیادہ بھی اللہ کی دین ہے اور اس کا علاج بے جوہر ہے۔ اس سلسلے میں یہ آیت پیش کرنا ”وہی ہے جو تجھے کھانا دیتا ہے اور پیاس کی حالت میں میرا پ کرتا ہے اور سب میں پیار ہوتا ہوں تو مجھے تندرستی عطا کرتا ہے۔“ (سورۃ شعراء آیت ۸۰) وہی مادہ ہے اور جلاتا بھی ہے۔ (سورۃ شعراء آیت ۸۱) شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ موت اور حیات بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پیادہ سے شفا یابی اور موت سے رہائی اس کی نصیحت اور اس کے ارادہ کے بغیر قطعی ناممکن ہے اور یہ تمام روایا ہونے والے واقعات تقاضے الٹی ہیں۔

(۸) اسلامی ممالک کو فخر و اقلان میں باقی رکھنا اور ان میں کسی قسم کا تخریب و تہذل یا اصلاح عمل کو جاری نہ ہونے دینا۔

(۹) فتنہ و فساد اور ہنگامہ آرائیوں کو زوال دینا اور اس عقیدہ کو لوگوں میں رائج کرنا کہ اسلام محض عبارت اور پرہیزگاری کا نام ہے۔ اور دنیا اور اس کے امور سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت ختمی المرئیت (علیہ السلام) اور ان کے چاشنیوں نے کبھی ان مسائل میں پڑنے کی کوشش نہیں کی اور سیاسی اور اقتصادی تنظیم سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

(۱۰) اور عرب ہر دورے امور پر قیود اقتصادی بدعتی اور غربت و بیکاری میں اضافہ کیا باعث نہ گئی مگر اس کے ساتھ ساتھ پسماندگی میں اضافہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسانوں کے غلہ کے ذخیروں کو تخریب کر دیا جائے، کشتیوں کو ڈوبا جائے، تجارتی جہاز صحتی مراکز میں بڑے پیمانے پر آگ بجھرائی جائے۔ دریاؤں کے بند توڑ کر زمینیاں ویران کی جائیں اور پینے کے پانی کو زہر آلود بنایا جائے تاکہ کسان غلام سے غلام والوں کی پسماندگی اور فقر و بیکاری کا سامان فراہم کیے جاسکے۔

(۱۱) اسلامی شعرائوں کے حراج کو بدلا جائے اور ان میں شراب نوشی، جوئے بازی اور دیگر افلاکی برائیاں پیدہ کی جائیں۔ تو یہ خرافہ میں خود برداروں کے دھوکے کی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ ان کے پاس اپنے دفاع، جنگی معیشت اور ترقیاتی امور کے لیے کوئی رقم باقی نہ رہے۔

(۱۲) ”مردم غوثوں یا حاکم ہیں“ (سورہ نساء آیت ۲۳) یا ”غوثی، بدی کا پتلا ہیں“ کی حدیث کے سہارے غوثوں کی توہین، تحقیر اور کثیری کا پرچار کیا جائے۔

(۱۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی شہری اور دیہاتی بستوں میں غلامت اور گندگی کا سب سے بڑا سبب ان علاقوں میں پانی کی کمی ہے۔ اور وہیں چاہیے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے گنجان آباد علاقوں میں پانی کی فراہمی روک دیں تاکہ ان علاقوں میں زیادہ کھجور سے گندگی میں اضافہ نہ ہو۔

کتاب کے ایک اور باب میں مسلمانوں کی قوت و طاقت کو توڑنے اور انہیں کمزور بنانے کے دیگر اصولوں پر بھی گفتگو کی گئی تھی جو دلچسپی سے خالی نہیں:

(۱) ایسے افکار کی ترویج و ترویج، قبائلی اور ملی عقیدوں کو وادیں اور لوگوں کو گزشتہ قوموں کی تاریخ، زبان اور طاقت کی طرف شدت سے مائل کریں اور وہ مائل اسلام کی تاریخی شخصیتوں پر فریفتہ ہو جائیں اور ان کا احترام کریں۔ مصر میں فرعونیت کا احیاء، ایران میں زرتشت اور چین انہریں میں باہل کی بت پرستی ان کی مثالیں ہیں۔ کتاب کے اس حصے میں ایک بڑے نقشے کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جس میں ان ہر اکڑ کی نشان دہی کی گئی تھی جن میں سابق الذکر خطوط پر علمبردار مرسوم تھا۔

(۲) شراب خوردی، جوئے بازی، بد فعلی اور شہوت رانی کی ترویج، ہمارے گوشت کے استعمال کی ترغیب، ان کا گزراہوں میں بیہوشی، نصرانی، زردشتی اور صابکی عقیدوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہیے اور ان برائیوں کو

مسلم معاشرے میں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے جن کے عوض لو آبادیاتی علاقوں کی وزارت انہیں انعام و کرام سے نوازے گی۔ اس کام کے لیے متعدد افراد کی ضرورت ہے جو کسی بھی موقع کو اچھے سے نہ جانے دیں اور شراب، جوئے، فحاشی اور سحر کے گوشت کو جہاں تک دوسرے لوگوں میں مقبول بنائیں۔ اسلامی دنیا میں انگریزی حکومت کے کارندوں کا یہ فریضہ تھا کہ وہ مال و دولت، انعام و اکرام اور ہر مناسب طریقے سے ان برائیوں کی پشت پناہی کریں اور ان پر عمل پیرا افراد کو کسی طرح کا گزند نہ پہنچتے دیں اور مسلمانوں کو اسلامی احکامات اور اس کی ادائیگیوں سے روگردانی کی ترغیب دیں کیونکہ اسلام کا شرع سے بے توجہی معاشرے میں بد نظمی اور انفراتفری کا سبب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں سود کی شدت سے مذمت کی گئی ہے اور اس کا شمار گناہان کبیرہ میں ہوتا ہے۔

پس لازم ہے کہ ہر حال میں سود اور حرام سود سے بازی کو عام کرنے کی کوشش کی جائے اور اقتصادی بد حالی کو کئی طور پر مٹھل بنایا جائے۔ اس کام کے لیے ضروری ہے کہ سود کی حرمت سے متعلق آیات کی غلط تفسیر کی جائے اور اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ قرآن کے ایک حکم کی سرِ ثانی اسلام کے تمام احکام سے روگردانی کی حرمت کا عینہ وار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ قرآن نے جس سود کو منع کیا ہے وہ سود مرکب (باسود و ر سود) ہے نہ گنہ عام سود جس کوئی قاجت نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے: ”ایسے مال کو گئی گنا کرنے کی خاطر نہ لکھا“۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۲۰) اس عام سود حرام نہیں ہے۔

(۳) علمائے دین اور عام کے درمیان روایتی اور احترام کی نفاذ کو آلودہ کرنا، ہم فریضہ ہے جسے انگلستان کی حکومت کے ہر لازم کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس کام کے لیے وہ باتوں کی اشد ضرورت ہے۔



تعداد دیا جائے اور مسلمانوں کو شدت کے ساتھ تباہ جانے سے روکا جائے۔ اس طرح مجالس اور اس سلسلہ کے تمام اجتماعات پر پابندی لگائی جائے۔ یہ اجتماعات ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی ہیں اور دشمن شدت کے ساتھ روکنا ضروری ہے۔ مساجد، ائمہ دین کے مزارات، امام بارگاہوں اور مدرسوں کی تعمیرات پر بھی بندش عائد کی جائے۔

(۱۱) غم اور فغانمندی کی تقسیم بھی اسلام کی تقویت کا ایک سبب ہے۔ غم کا تعلق لین دین، تجارتی اور کاروباری مبالغے سے نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس قسم کی ادا جتنی تکمیل و کرم ﷺ اور اماموں کے زمانے میں واجب تھی لیکن اب علماء دین کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اس قسم کو کھیل کریں۔ خاص طور پر جبکہ یہ لوگ اس قسم سے ذاتی فائدے حاصل کرتے ہیں اور اپنی لیے بھیجنے بکریاں، گائے، بکھڑے، باغات اور محاسن خریدتے ہیں۔ اس اعتبار سے شرعاً غم کی قسم ان کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۱۲) لوگوں کو بروکشتہ کرنے کے لیے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام فقیر و غنی اور اہل ثروت اور اختلافات کا دین ہے اور اس کے ثبوت میں اسلامی مذاہب میں روفا ہونے والے واقعات کو پیش کرنا چاہیے۔

(۱۳) اپنے آپ کو تمام گمراہوں میں پہنچا کر باپ بیٹوں کے تعلقات کو اس حد تک بگاڑ جائے کہ بزرگوں کی نصیحت سے اثر نہ بنائے اور لوگ آمریت کی تہذیب و تمدن کا فکار نہ چاہیں۔ اس صورت میں ہم نوجوانوں کو ان کے دینی عقائد سے متصرف کر کے انہیں علماء سے دور رکھ سکتے ہیں۔

(۱۴) عورتوں کی بے پردگی کے بارے میں ہمیں سعی بلیغ کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان عورتیں خود پردہ چھوڑنے کی آرزو نہ کر لگیں۔ اس سلسلے میں ہمیں تاریخی دلائل و شواہد کا سہارا لے کر یہ بات کرنا ہوگا کہ پردہ کا رواج نبی عباس کے دور سے ہوا

اور یہ رجز اسلام کی سنت نہیں ہے۔ لوگ رسول اکرم ﷺ کی دیرین کو بغیر پردہ دیکھنے رہے ہیں۔ صدر اسلام کی عورتیں زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے بشابہ و نشانہ رہی ہیں۔ ان کو ششوں کے بارگاہ و دفن کے بعد ہمارے ساتھیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ نوجوانوں کو ناشروع جنسی روابط اور عیاشیوں کی ترغیب دینا اور اس طرح برائیوں کو اسلامی معاشرے میں رواج دیں۔ ضروری ہے کہ غیر مسلم عورتیں پوری بے پردگی کے ساتھ اپنے آپ کو مسلم معاشرے میں پیش کریں تاکہ مسلمان عورتیں انہیں دیکھ کر ان کی تہذیب کریں۔

(۱۵) جماعت کی نماز سے لوگوں کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ائمہ و جماعت پر الزام تراشیاں کی جائیں اور ان کے فسق و فجور پر مبنی دلائل پیش کیے جائیں تاکہ لوگ ان سے نفرت ہو کر ان سے اپنا رابطہ توڑ لیں۔

(۱۶) ہماری دشواریوں میں سے ایک بڑی دشواری بزرگان دین کے مزاروں پر مسلمانوں کی حاضری ہے۔ ضروری ہے کہ مخالف دائل سے یہ ثابت کیا جائے کہ قبروں کو اہمیت دینا اور ان کی آرائشات پر خود بنا چرعت اور خلاف شرع ہے اور ختمی مریت ﷺ کے زمانے میں مرد و عورت کی قسم کی یا قیں رائج نہیں تھیں۔ آہستہ آہستہ ان قبروں کو مسودہ کر کے ان کی زیارت سے لوگوں کو متنبہ کیا جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ مسجد النبی میں مدفون ہیں لیکن اپنی والدہ گرامی کی قبر میں سورہے ہیں اور اسی طرح تمام بزرگان دین کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ان مقامات پر نہیں جن مقامات کو ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم مدفون ہیں۔ حضرت عثمان کی قبر کا کتبہ نہیں پڑھیں۔ حضرت علی کی آرامگاہ ہمدان میں اور وہ قبر جو نصف اشرف تھا مسلمانوں کی زیارت جگہ ہے دراصل اس میں مغیرہ بنت شعبہ دفن ہیں۔ اہم



حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر القدس مسجد "حنانہ" میں دفن ہے اور آپ کے جسد القدس کی تدفین کے بارے میں صحیح اطلاع نہیں ہے۔ کلمہ تین کی مشہور زیارت گاد میں امام سنی کا نام علیہ السلام اور امام اہل حق علیہ السلام کی بجائے دو عباسی خلیفہ دفن ہیں۔ شہد میں امام رضا علیہ السلام نہیں بلکہ ہارون الرشید دفن ہے۔ سامرہ میں بھی امام اہل حق علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی بجائے عباسی خلیفہ دفن ہیں۔ یہیں بھی قبرستان کے سلسلے میں کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خاک کے یکساں ہو جائے اور تمام اسلامی ممالک کی زیارت گاہیں دیرالوں میں بدل دی جائیں۔

(۱۷)

خاندان رسالت سے اہل تشیع کی عقیدت و احترام ختم کرنے کے لیے جو دستے اور باہولی سادات پیدا کیے جائیں اور اس کام کے لیے ہمیں چترخواہ دارا فرادی ضرورت ہے جو علماء مسلم کے ساتھ لوگوں میں مظاہر ہوں اور اپنے آپ کو اولاد رسول سے نسبت دیں۔ اس طرح وہ لوگ جو ان کی حقیقت سے واقف ہیں آہستہ آہستہ حلق سادات سے برکشت ہو جائیں گے اور اولاد رسول پر شک کرنے لگیں گے۔ دوسرا کام ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ ہم حقیقی سادات اور علمائے دین کے سروں سے ان کے علمائے اتر و انہیں ناکہ پیغمبر خدا ﷺ سے وابستگی کا سلسلہ ختم ہو اور لوگ علماء کا احترام چھوڑ دیں۔

(۱۸)

امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے مراکز کو ختم کر کے ان کو ویران کر دیا جائے اور یہ کام مسلمانوں کی گمراہی کی راہ سے روکنے اور دین کو بدعتی اور نابودی سے بچانے کے عنوان سے ہونا چاہیے۔ اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لا کر لوگوں کو بھائیں غرا میں جانے سے روکنے کی کوشش کی جائے اور عزاداری کو بلند فتح ختم کیا جائے۔ اس کام کے لیے امام ہارون کا ہوں کی تعمیر اور علماء و کارکن کے انتخاب کی شرائط کو سخت بنایا جائے۔

(۱۹) اگر اند خیالی اور چون و چراں والی کیفیت کو مسلمانوں کے اذہان میں راسخ کرنا

چاہیے تاکہ ہر آدمی آزادانہ طور پر سوچنے کے قابل ہو اور ہر کام اپنا مرضی سے انجام دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں۔ احکام شریعت کی ترویج کا عمل متروک ہونا چاہیے۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھا جائے تو بھی یہ کام ہوشیاروں کا ہے۔ عوام الناس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

(۲۰)

نسل کو کنٹرول کیا جائے اور نہ کو ایک سے زیادہ بیوی اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نئے قوانین وضع کر کے شادی کے مسئلہ کو حلال بنایا جائے۔ مثلاً عرب مرد و عورت سے اور ایرانی مرد و عورت سے شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ اس طرح ترک، ایمانیوں سے شادی نہیں کر سکیں گے۔

(۲۱)

اسلامی تعلیم کی آفاقیت کے مسئلہ کو محکم دلائل سے رد کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام اصولاً دین ہدایت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف ایک قبیلہ اور ایک قوم سے ہے جیسا کہ قرآن نے اقرار کیا ہے:

"یہ دین تمہارا ہے اور تمہارے قبیلہ کی ہدایت کے لیے ہے" (سورہ زمر آیت ۲۶)

(۲۲)

مساجد، مدارس، تربیتی مراکز اور اچھی بنیادوں پر قائم ہونے والی تعمیرات سے متعلق اسلام کی تمام سنتوں کو کالعدم یا کم از کم محدود کر دیا جائے۔ اس قسم کے امور کا تعلق علماء سے نہیں بلکہ سربراہان مملکت سے ہے اور جب تک کہ اس قسم کا کام انجام دیں گی تا آخر زمان کی دینی تدبیر و قیامت پائی رہے گی۔

(۲۳)

ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں کوہ قرآن میں کی قہشی کے لوگوں کو شک میں مبتلا کیا جائے۔ اس طرح یہ گفتار پروردگار کی کے بارے میں توہین آمیز آیات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق آیتوں کو قرآن سے حذف کیا جائے اور قرآن کو ترکی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ کر کے ہزاروں میں لایا جائے۔

خیر حرب مسلحہ حکومتوں کو مذہبی دئی جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں قرآن، اذان اور نماز کو عربی زبان میں پڑھنے سے پرہیز کریں۔ دوسرا مسئلہ احادیث و روایات میں تشکیک پیدا کرنا ہے اور قرآن کی طرح اس میں بھی تحریف و تزویر سے کام لیتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس دوسری کتاب میں بھی مجھے بڑی کارآمد چیزیں دکھائی دیں۔ اس کتاب کا نام "اسلام کو کیونکر مضبوطی سے منایا جائے گا" رکھا گیا تھا۔ اس میں وہ بہترین عملی پروگرام تھے جن پر مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کا کام کرنا تھا۔ اس کتاب نے مجھ پر بڑا اثر قائم کیا تھا۔ کتاب کے مطالعے کے بعد میں اسے واپس کرنے کو آبادیاتی علاقوں کی وزارت پنجاب، جن دوسری سرحد سیکرٹری تھے بڑی ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا:

"اچھا، اس وقت کو نہیں انجام دینا ہے اس میں تم اپنی نہیں ہو سکتے تقریباً پانچ جزام سچے اور کھرے افراد مختلف گروہوں کی صورت میں تمام اسلام ممالک میں تمہاری مدد کے لیے آواہ ہیں۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا خیال ہے کہ وہ کام کی پیشرفت کے ساتھ ساتھ ان افراد کی تعداد میں اضافہ کر کے انہیں ایک لاکھ تک پہنچا دے۔ جب بھی ہمیں اس عظیم گروہ کی تکمیل میں کوئی پیچیدہائی ہوگی یقیناً ہم تمام عالم اسلام پر چھانچا جائیں گے اور اسلامی آبادی کو مکمل طور پر مٹا دیں گے۔"

سیکرٹری نے کہا:

"میں تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ ہم آئندہ ایک صدی میں اپنی مراد کو پہنچ جائیں گے اور اگر آج ہماری نسل اس کامیابی کو نہ دیکھ سکیگی تو اتارنی اولادیں ضرور یہ اچھے دن دیکھیں گی اور ہماری ضرب اصل کتنی مٹی خیر ہے جس میں کہا گیا ہے: "مٹی دوسروں سے بڑا ہم نے کھایا۔ آج ہم پورے ہیں کل دوسرے کھائیں گے۔" جس وقت بھی عظیم برطانیہ یا (سندھوں کی ملکہ) کو اسلامی ممالک پر فتح مندی نصیب ہوگی دینا لے صحیحیت ان تمام تکالیف سے نجات پا جائے گی جسے وہ (۱۲) صدیوں سے برداشت کر رہی ہے۔

مسلمانوں نے اس عرصہ میں ہم پر بڑی جنگیں مسلط کیں جن میں صلیبی جنگیں بطور مثال ہیں۔ یہ جنگیں بالکل مغلوں کی بلخاری طرح بے مقصد تھیں کہ جہاں وہ لے گئے، غارتگری، ویرانی و تباہی اور لوٹ مار کے کوئی مقصد نہیں تھا لیکن اسلام کے خلاف ہماری جنگ مغلوں کی طرح محض فوجی کارروائیوں اور قتل و غارتگری پر منحصر نہیں ہے۔ ہمیں اس کام کو جلد ہی بھی نہیں ہے۔ عظیم برطانیہ کی حکومت اسلام کو مٹانے کے لیے پورے معاملے کے ساتھ آگے بڑھے گی اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے عظیم کاموں کو برویکار آنے کی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی ایسا ہم ضروری مواقع پر فوجی کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم اسلامی حکومتوں پر پوری طرح چھب جائیں گے اور پھر پورا عالم ہماری مخالفت پر آمزائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ استبداد کے حکمران بڑے دھڑلے اور فراست کے مالک ہیں اور اسی جلد ہمیں اپنے پروگراموں میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے لیکن ہمیں ابھی سے متوسط طبقے کے بچوں کو ان سکولوں میں تربیت دینا ہے جو ہم نے ان کے لیے قائم کیے ہیں۔ ہمیں ان علاقوں میں متعدد چرچ بھی بنانے ہیں۔ شراب، جوا اور شہوت رانی کو اس طرح پھیلانا ہے کہ نوجوان نسل وین و مذہب کو بھول جائے۔ ہمیں اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے درمیان اختلافات کی آگ بھگنی ہونا پڑا ہے ہر طرف ہرج مرج اور فتنہ کا بازار گرم کرنا ہے۔ ارکان حکومت اور صاحبان ثروت کو حسین و جمیل اور شوخ و فحش عیسائی عورتوں کی رام میں پھنسانا ہے اور ان کی مختلف توانا پر دی شہوں سے روٹی بٹھانا ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنی دینی اور سیاسی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ لوگ ان سے بدظن ہو جائیں اور اسلام کے بارے میں ان کا ایمان کمزور ہو جائے جس کے نتیجے میں علماء و حکومت اور عوام کا اتحاد ٹوٹ جائے اور ایسے حالات میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ہم ان ممالک میں اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں گے۔"

نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری نے اس دوسرے روز سے بھی پردہ اٹھایا جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں شدت سے جس کے اظہار میں تھا اور یہ وہ

قرارداد لگی جو تکلیف دہ نہ تھی۔ اسی عہد پر اردو نے منظر کی بھی۔ پچاس صفحات پر مشتمل یہ قرارداد آزادی کی عداوت کی اس سیاست کی آئینہ دار تھی جس کے ذریعہ اسلام اور اہل اسلام کو ایک صدی کے اندر اندر نابود کرنا تھا۔ اس رسالہ کی پیشین گوئی کی مطابق اس عرصے کے بعد اسلام ساری دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور تاریخ میں اس کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اس بات کی غلطی سے آئینہ کی گئی تھی کہ ۱۴۱۱ھ کی قرارداد کے مضمون کو مدنظر نہ رکھا جائے گا اور یہ کسی عداوت سے ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ اس بات پر خطرہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ اس کی چارہ جوئی میں اٹھ کھڑے ہوں تاہم مختصر طور پر اس کا موازنہ کچھ یوں تھا:

- (۱) تاجکستان، بخارا، مازندران، خانی خراسان اور ماد اور انہما اوروں کے جنوب میں واقع مسلم آبادیوں پر بظاہر حاصل کرنے کے لیے سلطنتوں سے وسیع پیمانے پر اشتراک عمل مان کے علاوہ ایران کے سرحدی شہروں ترکستان اور آذربائیجان پر تسلط حاصل کرنے کے لیے روس کے ساتھ اشتراک عمل۔
- (۲) اسلامی حکومتوں کو اندرونی اور بیرونی اعتبار سے پوری طرح تباہ کرنے کے لیے ایک منظم پروگرام کی تشکیل میں روس اور فرانس کے مسلمانین کے ساتھ اشتراک عمل۔
- (۳) عثمانی اور ایرانی حکومتوں کے درمیان اتحاد کو ہوا دینا اور ان کے درمیان قومی اور نسلی اختلافات کی آگ بھڑکانا۔ عراق اور ایران کے اطراف میں آباد قبیلوں میں قبائلی جنگیں اور شورشیں پھیلانا۔ ماقبل اسلام مذاہب کی تبلیغ حتیٰ کہ ایران، مصر اور بین النہرین کے متروک اور سرودہ اڈان کا احیاء اور ان کے تباہ و کاروں کو اسلام سے بغیر دینا۔

(۴) اسلامی ممالک کے شہروں اور دیہاتوں کے بعض حصوں کو غیر مسلم اقوام کے حوالے کرنا مثلاً دہلیہ، یسودہ، یسودہ، اسکندریہ، سائیدہ، کوہ، یزد، پارسیوں کو، عجمہ، صائیدہ، کوہ، کرمان، شاہی، امامی، کوہ، مصل، یزدیوں کو اور بوشہر، سیستان، طاجیک، فارس

کے قریب و جوار کے علاقے ہندوؤں کو سونپنا۔ ان دو خرافہ نگاروں میں پہلے اہل ہند کو بے گناہ ضروری ہے۔ اس طرح اہل ہند میں واقع طوائف و درویشوں کے، قاضیوں کے اور منظرہ خواجہ کے حوالے کرنا۔ یہی نہیں بلکہ ہادی امداد، سکی ساز و سامان اور فنی اور سیاسی ماہرین کے ذریعے انہیں مضبوط بنانا بھی ضروری ہے تاکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ اقلیتیں اہل اسلام کی آنکھوں میں پھینکے گئیں اور اسلام کا چکر آہرہ ہو جائے اور علاقے میں ہر طرح ان کا اثر نفوذ مسلم حکومتوں کی تباہی کا سبب بن جائے اور اسلام کی ترقی ہی بڑی میں رخنہ پڑ جائے۔

(۵) ہندوستان کی ایرانی اور عثمانی حکومتوں میں بھی پھولی پھولی ریاستوں کا قیام عمل میں آئے اور پھر پچوت ڈاکو اور حکومت کرو یا بھڑا غلط: "چھوٹ ڈاکو اور مٹاؤ" کے قانون پر عمل کرتے ہوئے انہیں ایک دوسرے سے بھڑا دیا جائے۔ اس صورت میں ایک طرف وہ آپس میں دست و گریباں ہوں گی اور دوسری طرف مرکزی حکومت سے بھی ان کے تیز حد کا سامان فراہم رہے گا۔

(۶) ایک سو سچے صلہ کے تحت اسلام دنیا میں لوگوں کے افکار سے ہم آہنگی رکھنے والے امن، محنت، عقائد و مذاہب کی تبلیغ، شلہ اہلیت (علم اسلام) سے بے انتہا عقیدت و احترام رکھنے والے شیعہوں کے حسین اہل مذہب، امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات سے متعلق شخصیت پرستی، امام علی رضی اللہ عنہ علیہ السلام اور امام غائب (حضرت مہدی موعود) کے بارے میں مبالغہ آرائی اور اہستہ آہستہ فرقہ کی ترویج۔ ہر مذہب کے لیے اس کے مناسب ترین نظام کی یہ صورت ہو گی: حسین اللہ فرقہ (کربا)، امام جعفر صادق کی پرستش (اہل ہند)، امام مہدی علیہ السلام کی پرستش (سامرہ)، اور اہستہ آہستہ امامی مذہب (مہدے)، ان جملہ مذاہب کی تبلیغ و ترویج کا دائرہ صرف شیعہ مذہب تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے

بلکہ ان مسلمانوں کے تمام حقوق میں بھی اس قسم کے مذاہب کو ترجیح دیا جانا چاہیے اور پھر ان میں اختلافات کو ہمارے کثرت کے ساتھ جو ہونا چاہیے کہ ان کا ہر فرقہ اپنے آپ کو مسلمان اور دوسرے کو کافر، مرتد اور واجب القتل سمجھے۔

(۷) زمانہ ولایت، شراب نوشی اور جراحہ اہم امور ہیں جنہیں مسلمانوں کے دینیان مانع کرنے کی ضرورت ہے۔ ان بڑی عادتوں کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے ملائے کے ان لوگوں سے زیادہ دیکھنا چاہیے جو مائل اسلام و دیگر مذاہب سے وابستہ تھے اور خوش قسمتی سے ان کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔

(۸) اہم اور حساس عہدوں پر غلط کام اور ناپاک افراد کا تقرر اور اس بات پر توجہ کہ ریاستوں کی سربراہی نوآبادیاتی طاقتوں کی وزارت سے وابستہ ذہنی چاہیے تاکہ وہ انگلت کی حکومت کے لیے کام کریں اور ان سے احکامات وصول کریں۔ پھر ان بااثر افراد کے ذریعے ہمارے مقاصد پوشیدہ طور پر قوت کے سہارے مؤہل آئیں البتہ ان کے چناؤ میں مسلم بادشاہوں کا ہاتھ ہوگا۔

(۹) غیر عرب مسلم ممالک میں عربی ثقافت اور زبان کے پھیلاؤ کو رکنا اور اس کی بجائے مسکرت، فلاری گروی، ہینٹو، اور داری قومی زبانوں کو ان سر زمینوں پر رائج کرنا تاکہ علاقائی زبانیں رواج پا کر عربی زبان بولنے والے قبائل میں اثر آئیں اور فصیح عربی زبان کی جگہ اختیار کریں۔ اس طرح اہل عرب کا قرآن اور سنت سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

(۱۰) حکومتی دفاتر میں مشیروں اور ماہروں کی حیثیت سے برطانوی عمال اور جاسوسوں کی تعیناتی میں اضافہ ان طریقہ اسلامی نمائندگی کے وزراء اور امراء کے فیصلوں میں ہمارے رنگ شامل رہے گا۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لیے سب سے بہتر راستہ یہ ہوگا کہ ہم پہلے چین اور متحدہ ممالک اور کثیروں کو تعلیم و تربیت دیں اور پھر انہیں

تکمرانوں، شاہزادوں، وڈیروں، امیروں اور اہم درباری عہدوں پر فائز بااثر افراد کے ہاتھوں بیچ دیں۔ یہ تمام اپنی صلاحیتوں اور فہم و فراست کی بنیاد پر ان کے نزدیک اپنا مقام پیدا کریں گے اور آہستہ آہستہ انہیں مشاورت کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح مسلم رجال میں ان کا ایک منصب نقش قائم ہو جائے گا۔

(۱۱) مسلمانوں کے مختلف طبقوں خاص طور پر ذہن کشوں، انجینئروں، حکومت کے مالی امور سے وابستہ عہدہ داروں اور ان جیسے دیگر روشن فکر افراد میں سچیت کی تبلیغ و ترویج، تعلیم، صحیح معنوں میں اسکول اور کھیمیا سے وابستہ شکا خالوں کی تعداد میں اضافہ، تبلیغی کتب و رسائل کی نشر و اشاعت اور متوسط طبقہ کے لوگوں میں ان کی مفت تقسیم تاریخ اسلام کے مقابلہ پر تاریخ مسیحیت کی نگارش کا اہتمام، مسلمانوں کے حالات و کیفیت اور ان میں حکومت برطانیہ کے عمال اور جاسوسوں کا تقرر البتہ ان کا دائمی عمل اسلامی محاذ تک میں زیر نگین نہ ہوں گی۔ ان عالم، جیسا کہ میں نے کچھ کام یہ ہوگا کہ وہ مستشرقین اور اسلام شناس ہیں کہ تاریخی حقائق میں تحریف کریں اور انہیں برعکس دکھانے کی کوشش کریں اور پھر وہ ان کی فراہمی اور اسامی ممالک سے ضروری اطلاعات حاصل کرنے کے بعد اپنے حق لے جا کر کریں جو اسلام کے نقصان اور عیسائیت کے فائدہ میں ہوں۔

(۱۲) مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں خود سرب اور بد مذہب سے تیز باری کی ترویج اور انہیں اسلام کے اصول و مہمانی کی سچائی کے بارے میں بدظن کرنا اور یہ کام مشنری اسکولوں، اخلاق پانڈ اور اسلام دشمنی پر مبنی کتابوں، جیسے خوش و خوش پاشی کہ سامان فراہم کرنے والے کھول اور غلط لمبا دوس پر استوار مسلم اور غیر مسلم بچوں کو پھانسنے کے لیے یہودی اور مسیحی نو جوانوں کی شرکت سے فضاہستوں کی تائیں۔

(۱۳) اسلام کو منظور کرنے، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے اور انہیں زندگی کے مسائل کے بابت میں سوچنے اور ترقی کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے اسلامی ممالک میں اندرونی اور بیرونی طرز پر شورشیں پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے یا پھر دیگر اداہن کے بیچ وکاروں سے بھڑکانے، قومی دولت، مالی ذخائر اور فکری و فنی قوتوں کو تباہ کرنے، اور پھر مسلمانوں میں دوغٹل اور داؤدالہ انگیزی کو فتنہ کرنا اور ان میں انتشار پیدا کرنا۔

(۱۴) اسلامی ممالک کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کرنا جس میں زراعت اور آمدنی کے تمام ذرائع شامل ہیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہندوں میں شفاف پیدا کرنا، اودیاؤں میں وحیت کی سطح اوچی کرنا، لوگوں میں سستی، بیکل انگاری اور تن آسانی کو فروغ دینا، پیداوار اور تولیدی امور کی طرف سے لوگوں کی بے قومی کو تقویت دینا اور عوام کو غیبت کا عادی بنانا ضروری ہے۔ (۱)

اس بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ چودہ نکات انتہائی شرح و ربط کے ساتھ ضمیمہ تحریر میں لائے گئے تھے اور ان کے ساتھ نقشے، علامات اور تصویریں بھی تھیں۔ میں نے یہاں اشارہ ان کی تکرار کی ہے۔ یہ نقشے کہہ آدائی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری سے اس مجموعہ سے کیا گیا ہے جس نے میرے ذات سے وابستہ کر دہی تھی اور جس کے زیر اثر اس نے مجھے اسی اہم اور ضخیم کتاب پڑھنے کو بھیجی تھی میں دوسری بار بعد احرام اظہار لشکر کیا اور مزید ایک مہینہ لندن میں رہا۔ اس کے بعد واپس کی طرف سے مجھے عراق جانے کا حکم ملا۔ میرا یہ سفر صرف اس مقصد کے لیے تھا کہ میں محمد بن عبدالوہاب کو ملے دین کے اظہار کی دعوت پر آمادہ کروں۔ سیکرٹری نے بار بار مجھے تاکید کی کہ میں اس کے ساتھ

(۱) اگر بشرط ضرورت کیا جائے تو آج مسلمان زیادہ تر مسلمانوں کا شمار ہو چکے ہیں اور ان میں سے بہت سے کلمہ اعتقاد میں رہی ہے۔

بڑی رعایت اور دہشہاری کے ساتھ پیش آؤ گے اور مقدمات امور کی آمادگی میں ہرگز حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں۔ یہ کہہ رہا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب قابل ہوسے اور نوآبادیاتی طاقتوں کی مداخلت سے پرکھاؤں اور وہ جس دانت سے نیچے سنا سب ترین آدمی ہے۔

اس کے بعد سیکرٹری نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: "میں نہیں کہہ رہا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بائبل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں گفتگو کرنی ہے کیونکہ عمارت اعمال مضہان میں اس سے بڑی صراحت کے ساتھ پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں اور وہ ان باتوں کو مان چکا ہے مگر اس شرط کی ساتھ کہ اسے عثمانی حکومت کے مقامی اہل علم اور منصب لوگوں کے ہاتھوں آنے والے خطرات سے بچایا جائے اور اس کی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام کیا جائے کیونکہ اس کی دعوت کے ظاہر ہوتے ہی ہر طرف سے اسے شتم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور خطرناک صورتوں میں اس پر حملے کیے جائیں گے۔"

حکومت برطانیہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو تسلیم سے اچھی طرح نہیں کرنے کے بعد ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کی تائید بھی کی تھی اور شیخ کی مرضی کے مطابق جزیرہ العرب میں واقع نجد کے قریب علاقے کو اس کی حاکمیت کا پہلا مقام قرار دیا تھا۔

شیخ کی مخالفت کی خبر سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں نے سیکرٹری سے صرف یہ سوال کیا کہ میری آئندہ کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟ مجھے اس کے بعد کیا کرنا ہوگا اور شیخ سے کس قسم کا کام لینا ہوگا۔ پھر یہ کہ میں اسے فرانس کا کابل سے آمادہ کروں؟

سیکرٹری نے جواب دیا: "نوآبادیاتی طاقتوں کی وزارت نے تمہارے فرائض کو بڑی وضاحت سے متعین کیا ہے اور وہ ان امور کی گہرائی سے سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کا تمام خطے وہ ہیں: (۱) اس کے مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے

مال، عزت اور آبرو کی بربادی کو روکنا، اس ضمن میں گرفتار کیے جانے والے مخالفین کو برطرف کرنے کی کارکنیت میں غلام کو تکرار کی حیثیت میں بیٹھا۔

(۲) بہت پرستی کے بہانے یہودیوں اور مسلمانوں کا اتحاد اور مسلمانوں کو طریقیہ سے روکنا اور حایوں کے جان و مال کی عادت گری پر قبائل عرب کو اکسانا۔

(۳) عرب قبائل کو مٹانی غلیظ کے احکامات سے سرکشی کی ترغیب دینا اور ناخوش لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنا۔ اس کام کے لیے ایک آتشبار بند فوج کی تشکیل۔ اشراف حجاز کے احترام اور اثر و نفوذ کو ٹوڑنے کے لیے انہیں ہر ممکن طریقہ سے پریشانوں میں مبتلا کرنا۔

(۴) شہر اسلام ﷺ ان کے چالیسوں اور کئی طور پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں کی اہانت کا سہارا لے کر اور اس طرح شریک بہت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے کہہ کر یہاں دیگر مشرکوں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔

(۵) جہاں تک ممکن ہو سکے انیساری نماک میں فتنہ و فساد و شورش اور بدعتی کا پھیلاؤ۔

(۶) قرآن میں کی گئی پیشی پر شاہ آحادیٹ و روایات کی رد سے ایک جدید قرآن کی فخر و اشاعت۔

سیرت بنی نے اپنے اس چہ کلانی پروگرام کی تشریح کے بعد سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو انعام دینا اپنی منگولو جاری رکھتے ہوئے کہا:

”کہیں اس پروگرام کی دشواریاں تمہیں گھبراہٹ میں مبتلا نہ کر دیں۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اسلام کی حقایق کا صحیح اس سرزمین پر پکھیر دیں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس راہ پر آگے بڑھیں اور کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ سکیں۔ برطانیہ کی حکومت ہماری اس مہم آزما دارالذمت و شعوبوں سے واقف ہے۔ کیا محمد ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی اس تباہ کن انقلاب کو برپا نہیں کیا۔ محمد بن عبدالوہاب بھی (فوضہ اللہ) محمد ﷺ کی طرح ہمارے جیسے نظر انقلاب کو شعور کر سکتے تھے۔“

اس ملاقات کے کچھ دن بعد میں نے وزیر اور سیرت بنی سے سفر کی اجازت چاہی اور پھر ہمدانوں اور دوستوں کو اطلاع کیا۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے میرے چھوٹے لڑکے نے مسلمانانہ لہجے میں کہا: ”بابا جلدی گھر آئیے گا۔“ میں اس کے ہاتھ نے سیرت بنی آگے گئی اور کہا: میں روز میں ان اشکوں کو اپنی دبی سے نہ چھپا سکا۔

ہمارا جہاز مصر کی سمت روانہ ہوا۔ بڑے دشوار اور سخت سفر کے بعد رات کے وقت مصر پہنچا اور سید عبدالرضا زکھان کے گھر پہنچا۔ دو بیٹا اور سوار تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا اور بڑی گرمجوش سے میرا استقبال کیا۔ میں نے رات وہاں کوئی۔ دوسری صبح مجھے عبدالرضا سے معصوم ہوا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کچھ عرصہ پہلے ہمدان سے مصر پہنچا اور ابھی چند دن پہلے کسی نامعلوم مقام کی طرف خدا حافظ کہہ کر گیا ہے۔ عبدالرضا نے یہ بھی بتایا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب میرے مہمانکدہ فطیمہ دی گیا ہے۔ اس خط میں اس نے اپنا پتہ لکھا تھا۔

دوسرے دن میں انکیا عالم نجد ہوا اور بڑے زحمتوں کے بعد منزل مقصود پر پہنچا اور شیخ نے اس کے گھر پر ملا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ اور کمرورسی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس موضوع پر اس سے گفتگو مناسب نہیں سمجھی لیکن جلد ہی مجھے پتا چل گیا کہ اس نے دوسری شادی رچالی ہے اور منشی روادا میں افراط سے کام لے گا اپنی طاقت کھو بیٹھا ہے۔ میں نے اس بارے میں اسے نصیحتیں کیں اور بتایا کہ انکی ہم دونوں نے مل کر بہت سے امور انجام دینے ہیں۔ اس منزل پر ہم نے یہ طے کیا کہ میں اپنے آپ کو ”عبداللہ“ کے فرضی نام سے بطور مقام پیش کروں گا اور تباہی کا شیخ محمد بن عبدالوہاب نے مجھے بردہ فروشوں کے دروازے پر قریب چھپاؤنے لوگوں سے میرا ہی عنوان سے تعارف کرایا اور بتایا کہ مصر میں اس کے کام سے نظربانہ انقلاب یہاں ٹھیکہ پہنچاؤں۔

نجد میں رہنے والے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا غلام مجھ سے تھے۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری تھا کہ اس مقام پر شیخ کی دعوت کا سامان فراہم کرنے میں ہمیں دو سال کا عرصہ لگا۔ ۱۳۳۰ھ کے اوائل میں محمد بن عبدالوہاب نے جزیرۃ العرب میں اپنے لئے دین کے



اہل ان کا تہمتی ارادہ کیا اور اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا جو اس کے ہم خیال تھے اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر چکے تھے۔ ابتداء میں صرف اپنی خاص اصحاب اور عربوں کے دائرہ میں چند شہم اور غیر واضح الفاظ میں بڑے اختصار کی ساتھ اس دعوت کا آغاز ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد نجد کے ہر طبقہ کے افراد کو بڑے پیمانے پر دعوت نامے بھیج دیے گئے۔ آہستہ آہستہ ہم نے پورے عرب کے زور پر شیخ کے افکار کی حمایت میں ایک بڑا فوج اکٹھا کیا اور انہیں دشمنوں سے تیراؤ نہادوں کی تائید کیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جزیرہ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخالفین کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

جلد ہی دکانوں اور دھندوں کا پہلا اس منزل تک پہنچا کہ شیخ کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ خاص طور پر نجد میں اس کے خلاف بڑی خطرناک باتیں چلی جاتی تھیں۔ میں نے بڑی قاطعیت کے ساتھ اسے بتھوڑے کی ترغیب دی اور اس کے ارادے کو مست نہیں ہونے دیا۔ میں ہمیشہ محمد بن عبدالوہاب سے کہتا تھا: "بعثت کے ابتدائی دنوں میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی دشمن تمہارے دشمنوں سے ہر جہاں زیادہ طاقتور تھے مگر آپ ﷺ ان کی پیدا کردہ دشواریوں اور مصیبتوں کو بڑی جتن کے ساتھ جھیلے رہے۔ ان اونچوں، تنہوں اور دشنام طرازیوں کے سبب بغیر کسی بڑی مادیہ گامزن ہونا اور بلند یوں کو چھو کر ناممکن ہے۔ کوئی پیشوا در کوئی رہبر ان دشواریوں سے دامن نہیں چھڑا سکا۔

اس طرح ہم نے وہی جدوجہد کا آغاز کیا اور خطرناک دشمنوں کے مقابلے آئے۔ ہمارے کامیاب پروگراموں میں ایک پروگرام شیخ محمد بن عبدالوہاب کے دشمنوں کو پیسے کے ذریعے توڑنا تھا۔ ہمارے یہ نیکو ارادہ اپنی انہیں کی صف میں رو کر ہمارے لیے جاسوسی کرتے تھے اور ان کے ارادوں سے ہمیں آگاہ رکھتے تھے۔ ہم ان بظاہر دشمنوں کا تھکنا کے ذریعے انہیں کی تمام ایکسپوزیشن کرتے رہے۔ مثلاً ایک ہر میں سے سنا چند آدمیوں کے ایک گروہ نے شیخ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ میں نے فوری اقدامات کے ذریعے اس فتنے کی سازش کو ناکام بنایا اور اس گروہ کو اکٹھا کیا کہ بات شیخ محمد

بن عبدالوہاب کے حق میں قیام ہوئی اور لوگوں نے دہشت گردوں کا سر جھڑ پھینک دیا۔

آخر کار شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جھگڑے میں ایمان دلایا کہ وہ آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے جھگڑائی پروگرام کو روک دینے میں اپنی پوری کوشش کرے گا۔ ہم اس نے دو نکات کے بارے میں خاطر خواہ جواب دیے۔ باب اول میں سے ایک کہ یہ ضرورہ حاصل کرنے کے بعد خانہ کعبہ کا الہدام شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نزدیک یہ ایک بیہودہ اور خطرناک کام تھا کیونکہ اہل اسلام اپنی جلدی اس کے دھوکے کو تسلیم کرنے والے نہیں تھے اور یہی صورت حال کے بہت پرستی قرار دینے کی تھی۔ دوسرا اس بات کے اس سے بہرہ ور وہ کہ اور اصول کے حکام سے مخالفت تھا اور کہنا کہ میں نے کعبہ کو احاد یا اور نے قرآن کی نگاہ میں اس بات کا خطرہ ہے کہ مخالف حکومت ایک بڑی فوج بھری سرکوبی کے لیے عربستان بھیجے اور ہم اس پر پورے نہ تو تکیں۔ میں نے اس کے عذر کو مقول "تجہ اور اندازہ لگا یا کہ اس دور کی سیاسی اور مذہبی نفساں بات کی متقاضی نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے برسوں کے بعد جب جھگڑائی پروگرام کامیابی کی پوری منزل میں نکل کر چکا تو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے ارادہ کیا کہ اب سیاسی اعتبار سے بھی جزیرہ العرب میں کوئی کام ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے مجال میں سے محمد بن سعود (۱) کو محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ اشتراک عمل پر مامور کیا اور اس کام کے لیے محمد بن عبدالوہاب کے پاس خفیہ طور پر ایک نوٹ لکھوا دیا تاکہ اس سے سامنے حکومت برطانیہ کے مقاصد کی توضیح کرتے اور "محمد بن" (یعنی محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود) کے اشتراک عمل کی ضرورت پر زور دے اور تاکید کرے کہ وہ اپنی اسود کے فیصلے کی طور پر محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ میں ہونے اور سیاسی امور کی نگرانی محمد بن سعود کی ذمہ داری ہوگی۔

(۱) خودی خاندان کا موروثی جی جس نے اپنے اہل شہر کو باطنی طور پر اکٹھا کر دیا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے شہرہ خاندان کا موروثی جی سے متاثر ہوا۔

نوابی ملاؤں کی وزارت کا ہدف مسلمانوں کے جسم و جان و دنوں پر اسکا اثر و نفوذ ہی قائم کرنا تھا اور نہ اس بات کی کواد ہے کہ سیاسی حکومتوں سے دینی حکومتیں زیادہ دیر اور طاقتور رہتی ہیں۔ اس طرح دینی اور سیاسی شخصیتوں کے اتحاد و عمل کے نتیجے میں انگریزوں کا جھوٹا رعبا دور برآئے اور ان اس بھلائی میں اضافہ کر رہا تھا۔ ان دونوں دہروں نے پھر کے "تقریب" درمیان "شیر" کو اپنا پایہ تخت بنالیا۔ نوابی ملاؤں کی وزارت خفیہ طور پر دلی کھول کر ان مالی اعانت کو رکھتی تھی مذکورہ کی چانگ کے تحت حکومت کو بلا ہر کچھ نام خرچہ دینے سے جو دراصل نوابی ملاؤں کی وزارت ہی کے کچھ آئی تھے جن میں عربی زبان پر عبور حاصل تھا اور جو صحرائی جنگوں کے فنون سے بھی واقف تھے۔ ان تمام باتوں کا اطلاق بھی ہماری حکومت سے کیا تھا۔ میں نے ان افراد کے اشتراک عمل سے جو تعداد میں گیارہ تھے اس اسلامی حکومت کی وجہ اور سیاسی راہیں نہیں کیں۔ دونوں "یعنی محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود" اپنے فرائض سے بھولی واقف تھے اور ان معین کی جانے والی مادیوں پر سچے تھے۔ قدحوں سے آگے نہ بڑھ رہے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کبھی کبھار ان دونوں کے درمیان جھڑپیں نکلتی ہو چیا کرتی تھی اور وہیں اس کا فیصلہ بھی ہو جایا کرتا تھا اور دونوں آپادانی ملاؤں کی وزارت کو اس میں داخل انداز کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

ہم نے نجد کے اطراف کی لڑکیاں سے شادیاں کیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمان عورتوں میں محبت، خلوص اور طہر و داری کی صفات واقعی حیرت انگیز اور قابل تعریف ہے۔ ہم ان رشتوں کے ذریعے اس خندہ کے ساتھ وقتی ہم دلی اور اچھے سے کو اور زیادہ عقیدہ دیا۔ اسکے ان وقت ہم ان سے متحد ہوئی کی عزت پر ہیں۔ مرکزی حکومت جزیرہ العرب میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما نہ ہوتا تو بہت جلد اسلامی سر زمینوں پر کھینچے ہوئے یہ کچھ خور و درختوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ہمیں ان سے اپنے مطلوب نہیں حاصل ہوں گے۔

یہاں پر پھر سے کے اعتراف احتیاج پڑے ہوئے

برطانوی حکومت کی پردہ پوش میں نجدی فتنہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا حتیٰ کہ اولگ اسلامی انقلاب سے اور عاقلانہ میں ای طرح رخسار اندازی کرنے لگے جس طرح فرنگیوں نے چاہا تھا۔ بہت سے لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین کے عقائد و نظریات کو ہلا کر بدعت پرستی اور گمراہی کی راہ چل چکے۔ میں جب نے کہ اب انہیں حضرت شیخ محمد دلف بائی کے کتبہات شریف سمجھ نہیں آتے، انہیں حضرت شیخ عبدالقادر محدث دہلوی کی کتاب "مختار از اخبار" سے عقائد کی تھک لکھ کر پیش آئی اور حضرت امداد اللہ بجا جی کی کتاب "فیہ لغت مسئلہ سے فی چراتے ہیں۔" دونوں فقرات کو ترجمان سے ہمیں ایسے کی دشمنی سے آگاہ کیا لیکن ہم نے تعلیمات قرآن و تلامذہ۔ چنانچہ لوگ کراچی کی دلیل میں چلتے چلے گئے، درحقیقت اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے تبلیغ اصلاح اور تربیت کو دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے تبلیغ کرنے کے لیے گھر سے نکل کر اراد کیا تو انہیں بھی اسی "فرنگی چال" میں پھنسا کر لیے گئے کہ پائی۔ جنہوں نے اسلام کی روشنی دنیا بھر میں پھیلانے والے بزرگوں سے رہنمائی لیا تھی۔ وہ ان کے خلاف ہو گئے جنہوں نے بزرگان دین سے مدد حاصل کرنا سچے وہ اس فائدہ سے ہی کوثر و بدعت تصور کرنے لگے۔

لیکن یہ اتنا جارح و افغانی کا احسان ظہیر ہے کہ اس نے اپنی ذریت کاملہ کے ذریعے ہر زمانے میں حق کی دعوت دینے والے مقرر فرمائے ہیں، لہذا اور حاضر میں باسنت و جماعت کی بے جسی اور جوا کو ختم کرنے اور "پہلے" کے مشن کو نافذ و انجام تک پہنچانے کے لیے حضرت محمد دلف بائی شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات کے زیر سرساید و شیخ المشائخ سید بہر علی شاہ بخاری حیدر دین حضرت کمال والے (ادکار) کی زیر سرپرستی "تھک بندی محمدی قافلے" پر ملائے ہر شہر اور مکی سے لکھنؤ سے اور پھیلے ہوئے مسلمانوں کو "نجدی اندھی کنائی" میں گرنے سے بچا کر نبی اکرم ﷺ کے حضور پیش کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں شان و بزرگوں سے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ بڑے جمل)

## نفقوش۔ محبت کی تلاش

ایک ایسی قوم جسے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ  
دل کی آنکھوں سے پہنچنے کی ضرورت ہے

(صالح الدین محمود)

تو کون سے تہذیب پرانی دور حکمران کے دوران رسول پاک ﷺ کی ولادت  
ہمایت دیتے تھے۔ آپ کے سال مبارک تک سے پہلے سے وابستہ ہر جسمانی،  
روحانی، تاریخی اور جغرافیائی حقیقت کا اندر فلسفوں کے واسطے منظور کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ  
کار خیر شہوری صفحہ پر تو غیر نبوی ﷺ ہی سے جاری تھا، مگر اپنے کوئی ایک ہزار برس گزر چکے  
تھے اور اب یہ ضرورتی تھا کہ ایک شہوری کو اپنی سچ پر عمل ہونے کا کام کے واسطے دنوں کی  
حد تک رسول پاک ﷺ سے محبت اور انسانی حواس کی حدود تک نفاست اور جینی حسانی کی  
ضرورت تھی۔ یہ دقت ترک کچن میں موجود تھی اس واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل  
کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطہ زمین پر آپ کا نزول ہوا اور آپ کا پہلا قدم مبارک پڑا  
کہ جس عوام کا پیرا سانس آپ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپ کی آواز کا گداز پہلی بار  
برداشت کیا کہ جس کی سہارت سے پہلے پرندے کی پکار آپ تک آئی اور پھر جس خلا کے خم  
سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپ کو اور آپ نے پہلی بار ان کو دیکھا کہ جہاں جہاں آپ  
کی پیدائی میں نئے ستاروں کا قیام ہوا اور جس جس صود آپ کی وسیع وقتی آنکھوں نے ان  
کی دوری حرکت کو دیکھ کر کے اپنی لہو میں سمیٹ کر اپنے قد آور لمحے، گھٹنے، پچھے اور ہوا اور  
ہوائی بعد اور شوائی کے بخش اول بخش رسول اللہ ﷺ ہی کے نہیں، بلکہ آقا دنیا تک ہر نئے  
کلمہ کو جسے ہوا اول، اولیٰ آباؤی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بہت کا ان کو مکمل علم تھا سو ان تمام  
چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے چپ پا کر اس بڑے سوتے ہوئے شے میں ہوسعد

کی خصلت اور غبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا مگر سب سے پہلے انہوں نے مذہب مذکورہ میں  
اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں مرے سے پہلے ایک خیر و اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر  
سے دور، بخاری گرمی اور پہاڑی کو سامنے کے واسطے، ایک شام، چند کھانے کے واسطے گفت  
کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، جوان صورت اور شہر مکہ صوبی کو وہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم  
بچے کو شہید باور بہار اچھوڑ کر اپنی تمنا میں اپنے دل ہی میں لیے مگر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک بہاری کو کچھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا کہ جس کی  
پہلی منزل پر مثال کا جانب قائم ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں کہ جہاں چار  
آئینوں کو اوٹ میں چار ستریں ملتی تھیں، ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امن تھی، گہور میں آیا  
تھا۔ پھر اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محبت اور سورج کلمے کے ہاتھوں سے اپنا  
ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ چمڑی لٹے کی تھی کہ جولاند کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر  
اس ضعیف انسان نے چادر میں لپیٹے ہوئے نوزائیدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی  
جانب بلند کیا تھا اور دعا کی تھی کہ اے خالق کائنات اس بچے پر رحم فرما، اس واسطے کہ یہ بے  
آغرا اور خیم ہے۔ ترکوں نے اس عملی کمرے، اس آباؤی چمڑی اور اس دعا کے مقام کا  
بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے خاموش ریگستان کی خیم پر اس جگہ کو بھی دریافت کر کے  
مخفیہ کیا تھا کہ جہاں اس دعا کے کوئی چھ برس بعد اپنے جواں مرگ خداوند کی خبر پڑے والی تھی پر  
اپنے چھ برس کے حیران بچے کی اچھی پکڑے ہوئے جب اس کم سن خاتون نے ایک رات  
کے واسطے پڑاؤ کی تختہ تو دفاتت پائی تھی۔

ایک روز جبرائیل آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے وہی ماں کا پیہر دیکھا جس  
سے اسے ہستہ آہستہ وہاں سے ہوا تو اس نے بچہ پر ہوا تھا، آخری مرد دیکھا تھا اور پھر اپنی ماں کو اپنے بچے کے  
ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر لے کے ساتھ اپنے مقدمہ کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں  
نے اپنی مثالی روشنی، سادگی، سادگی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی چھوڑ دیا تھا کہ



رکھتے ہوئے تقریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہد نبوی ﷺ کے فرمانبردار نصب ہوئے تھے۔

اسی طرح اسی مٹی، دھاتی گار اور دھاتی چھڑ پانگل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اول میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہوگی اور اپنے اصلی اور اولیٰ خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقہ کار کی شخص ایک قدر سے معمولی مثال ہے۔

جب ۵۰۵ برس کے میں بیت مکے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر دہریں لے آئی جہاں وہ ۵۳۰ سال گردش پہلے تھا۔ تو نئے ستاروں کا قیام ہوا تھا اور رسول پاک ﷺ نے مدینے کا رخ کیا تھا۔ سورتک بھی اس آہانی راستے پر چل نکلے تھے۔ غار قورکو انہوں نے کچھ نہ کہا اور یہی صاحب سمجھا کہ نہ تو اس کے جائے صاف کریں اور نہ ہی سورتوں کے صدیوں پرانے ٹھکانوں کے جھاڑ جھکاڑ کو کاٹیں یا دبتائیں۔ غار قور کو انہوں نے ٹھکانوں اور کھیتوں کے پیر دہریں رہنے دیا کہ اب جا کر طور پر دہریں اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غار حرا تک کی نہایت ہی مشکل چیز صاف کر بھی انہوں نے آسان بنانے کی دہریں کو پیش نہ کی تاکہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے حق کا احساس برابہر دتا رہے۔ اس کا حضور در کیا کہ وہ تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناہر عمارت بنا کر بارش کا پانی بھی جمع ہو سکا اور پئے ہوڑ دھند اور غور تھیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران یہاں بچھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم ہو کر ہر جگہ بستی تک ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب تیار کیے تو بنو نضیر تترہ دیتے تھے۔ ہر بھی ترکوں نے پہنچ کچھ آواز کو تلاش کیا اور سینہ بہ سینہ مظلومان کی لوگ گیتوں کو پہیلی پر قلم بند کر کے باقاعدہ مکتولہ لیا۔ مسجد بناؤ نہایت ہی بغیر سے ہمال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنوئیں کی منڈ پر پر بھی سہنے کو بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسول پاک ﷺ نے قیام فرمایا۔

تھا اور جس کو دیکھ کر آپ نے اونچے ہوتے پانی میں اپنے پیر کے کاٹخاف کھس کر کیوں پہلے ایک لمحہ توقف اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب روایت مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپ کی آمد سے کوئی ۵۳ برس پہلے، ایک شام، مرنے والا پہلے ایک غور وادرس کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور اپنے غار کی گرمی اور بی جنتی کوٹھانے کے لیے چند کھانے کی واسطی گھٹ کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، خواہ صورت اور نرس کھ پیوی اور انہی ماں کے بدلے ہے میں قائم بچے کو تنہا اور بے سہارا چھوڑ کے اپنی قرنائیں اپنے دل سے لیے فوت ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبوی کو اب یہاں تعمیر ہوا تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر بھی ایمان و ہنرمندی، پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب انگوٹھی راستہ ہے۔ پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسجد نبوی کو تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کانٹائی اور انسانی حدود سے ماوراء طاقتوں کے بس کا عمل تھا اور وہ شخص انسان تھے۔ مگر جب انسان بھی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم بھر نے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سواپنی محبت کی سچائی کے سبب ہی انہوں نے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں کی اپنی وسیع تعلیم اور پھر پورے عالم اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت ساز کی اور اس سے متعلقہ علوم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، بھوٹان، وسطی ایشیاء، ایران، عراق، شام، مصر، یونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں اور نہ جانے عالم اسلام کے کسی کسی کو نے اور کسی کسی بچے سے تشہر لو لیں، ہمارے رنگ تراش، ہمایویں زمین کی زندہ رنگوں تک اتارنے کے ماہر، بھوٹان اور سماٹرا کی لوگوں میں مطلق رکھنے کے ہنرمند، خطاط، بچہ کار، شیشہ گر اور شیشہ ساز، کیما گیر، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین حکلیات، ہواؤں کے رخ عمارتوں کی دھار کو نبھانے کے ہنرمند اور نہ جانے کن کن علمیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ

علوم کے ماہرین، اساتذہ، پیشہ ور اور ہنرمندوں نے دینائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس اڑی ہاؤس پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بے حد دور، ایک ٹینل ریکٹن میں جنت کی کیماری کے کنارے، ان کے رسول کی قیام گاہ پر تعمیر ہوئے تھے اور وہ اور ان کے ہنر ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

تذکرہ کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک امید تھی، مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس احتجاجی بے اختیار رہی اور مکمل اطاعت پر ان کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ ہر کیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی آخری بار شاخ، اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی اور حکومت کے اہل کار اپنے حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور اس ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہلکاروں اور سفیروں کا یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے امرا و ان کے اہل و عیال کو، اگر وہ چاہیں، تو قسطنطنیہ تک کے واسطے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ دوسرے سلطان وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے پندرہ سو گز کے باہر میدانوں میں ایک خود کفیل اور کشادہ ہستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پیچھے شروع ہوئے تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بٹایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کنٹین ہوئی۔

اس محل میں دوئی پتھر و برسی گزر گئے، مگر اب یہ یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے ہیں۔ وہ خود سلطان وقت اس نئی بستی میں گیا اور اس نے خاندانی مراہوں کا مجلس طلبہ کر کے متعدد بے کاغذ حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کو اگلا حصہ اس طرح تھا۔ ہر ہنرمند اپنے صوبے سے ہونہار، بچے یا بچوں (اولاد نہ ہونے کی صورت میں، ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے اور اس بچے کے جوان ہونے یا بچہ عمر کو پہنچنے تک اس کی بدن اور فن میں اپنا مکمل فن منتقل کر دے۔ ہر حکومت کا ذمہ تھا

کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن کریم پڑھاویں اور پھر قرآن حفظ کروائیں۔ ساتھ ساتھ شہزادی بھی لکھیں۔ اس تمام تعلیم شہزادے اور شہزادی کے واسطے کچھ برس کا صرف مقرر کیا گیا۔ اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر و محنت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

چنانچہ کچھ برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص اسل نسخہ دہا پر کر تیار ہو گئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے تھوڑے اور نیک الطوار نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ جو جس نئی اپنی آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکساں اور عقائد نہیں تھے بلکہ اس جماعت کو ہر فرد کا نظر قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند و جوان اور اچھا شیوار بھی تھا کچھ برس کے بعد اول سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ پیچیدہ لوگ ہیں جن کو ایک روز کہیں بے حدود، ایک پیشہ ریکٹان میں، جنت کی کیماری کے کنارے اپنے رسول کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کر لی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

تذکرہ کے اعلان اول سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے اور مسجد نبوی کے معمار، جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے، تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنرمندوں کا یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے ساز و سامان اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ حکومت کے شعبہ کارکن کی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ و گہ در پٹے کے چٹری کا بالکل نئی کامیابی دریافت کی کہ جن سے صرف ایک بار پھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کی جائے وقوع کو اس حد تک میسر و راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبوی میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے، بالکل نئے اور ان چھوٹے جنگل دریا پشت کیے گئے اور ان کو کثرت کر ان کی کمزری کو تیس برس تک چھائی آج وہ دفائن آسمان تلے موملایا



گیا۔ رنگ حاصل کیے اور شیشہ گردوں نے شیشہ بنانے کے واسطے جازعی کی ریت استعمال کی۔ نہ چھکاری کے قلم ایران سے بن کر آئے تھے نہ جب کہ خطاطی کے واسطے تیز دریاے جہاں اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اکائے گئے تھے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت تیار ہوئی، ان ہی کے ہر رنگ کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان ہندو ہنرمندوں کی جماعت کے ہنر کی ہی اختیاط سے نکلی، پھر سندھ، راجستھان کے راستے ہماض کی سر زمین تک پہنچا دیا گیا کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کی تعمیر کے دوران رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہوئی تھی، تو پھر سارا سامان مدینے ہی پر رکھا جاتا۔ آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دور کیوں؟ اس کی وجہ ترک یہ جاتے ہیں کہ آخر ایک بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جماعت کے ہنرمندوں کو بٹھارنا پڑا، بڑے بڑے چٹان ٹکڑا کر تیار کرنے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے لگے کہ جن میں شور کالی حد امکان تھا، جبکہ وہ یہ جانتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرہ برابر بھی کوئی شور ہو، تو جس فضائی ہمارے رسول کی آنکھیں دکھیں اور آواز سنی ہوئی تھی، وہ اپنی حیاء و سکون اور وقار قائم رکھے۔

مواہر یا کام کہ جس میں ذرا سا بھی شور کا امکان تھا، مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک چھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لاکر شنب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چٹانی کے دوران کسی پتھری کٹائی یا راز یا دوہارت ہوئی یا کوئی چٹان پڑ چٹکا چھوٹا یا بڑا تو اس کو جگت میں ٹھونک بجا کر وہیں رسول پاک کے سامنے ٹھیک نہ کیا گیا، بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور درست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات

کیا تھے۔ ہمدردی بوجھ نہایت سست رفتاری اور ہر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی قفل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتاری اور تھیر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی قفل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتاری اور تھیر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ کوئی اور نہ تھی۔ جبکہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ کر لیا اور پھر پانچ سو ایک ہجڑ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اسی بستی میں ان کو سکونت پائی، تو سب کچھ اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فحون کے استعمال اور اپنی طبیعتی عمل میں یہ فکار و ہنرمند پائیکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیے گئے۔ اول یہ کہ تعمیر کے لئے اولیٰ سے لے کر کمرہ تکیل تک اس جماعت کو ہر ہنرمند اپنے کام کے دوران باخود رہے اور دوم یہ کہ اس دوران وہ ہر ملوثاقت قرآن جاری رکھے۔ سومادشو حافظ قرآن ہنرمندوں کی یہ جماعت پورے چند روز تک مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف رہی اور پھر ایک صبح آٹھ بجے مسجد نبوی کے خلائی نظام کی چوٹی سے فحری اذان اٹھنے، زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اٹھی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کبھی ہے کیا ہی، کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے؟ اس کی بارے میں تو ایک کتاب لکھوں گا۔ یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے کبھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو تو دیکھو تو یہ کبھی اور ہے۔ اپنے آپ سے باہر قدم وحر کے اس کو دیکھو تو یہ کبھی اور ہے، اور ہر کچھ اور ہیں۔ چتر، خط، آواز اور لہجہ، ایمان اور لڑنے کی ہمت کی ہے۔ متواتر اوقات اگر رنگ رنگ کے دھبے ہیں قرآن کی ہمت میں ہے رنگ کا دھبہ اس عمارت کو نور ہے جو کہ اس ہمت کو فاضل حق ہی نہیں دیتا، بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائزہ بخشنے اور بدینہ کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرنا ہے اور اوقات کے اس مرکز

سے ہم کو اپنے رسول ﷺ کی آوازیں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور آزاد بھی، کہ جیسے آواز پرندہ بھی ہو اور بوجھ کر اندھیرے میدانوں میں بھی نور کا شجر اگے تو کبھی نور کی دایوں میں اندھیرا ٹھوکانیک شجر نہ کہ جیسے نور کی نور ہی نہ ہو، بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ وجہ ریاض الدریہ میں اس خلا کے غم پر اپنے رسول ﷺ کے سر جانے کی صورت کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور ربیت کی کیا حدود۔ اور پھر وہ ہے نام ہنرمند یا داتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسول ﷺ کی قیام گاہ کی حیثیت سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے غم پر تیسرے گھر بنا دیا تھا کہ آج اس عمارت میں کشف ان کا خیر ہی نہیں، بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے، اور پھر ترکوں کے واسطے دعا ہو رہے پور پور سے ملنے ہوئی ہے۔

پھر کئی صدیاں ایت نکلیں۔

اندوہلی سازشوں اور بیرونی بیڑوں کے زباؤں کے تحت پرانی حکومتیں کمزور اور نئی حکومتیں اور طاقتیں ظہور پیں آتی ہیں۔ پھر جب سوئس صدی کا آغاز ہوا، تو کبلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس جنگ میں عثمانی حکومت نے انگریز، فرانسیسی اور راطالووی طاقتوں کے خلاف بحری قہر کا سہہ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں ترک جرنیل کاؤتھکسٹ ہوئی اور قیام پانے والوں نے جہاں بڑی کلوئے کر کی شکست کے ساتھ ساتھ اس کے اجتماعی وقار کو خاک میں ملایا، وہاں ترکمانی ناموس بھی خون کے ساتھ ساتھ بہہ کر خاک میں شامل ہو گیا اور عثمانی حکومت کی کشادہ حدود بھی خارج کرنے کے لے عثمانی سلطنت کے غلطوں پر حکومت کرنے کے دو طریقے رائج کیے۔ پہلا طریقہ براہ راست حکومت تھا اور جہاں براہ راست حکومت ممکن نہ تھی۔ وہاں ایک خاص منصوبے کے تحت ایسے قبیلوں، سیاسی جماعتوں یا افراد کو سہارا دیا طاقت دینا ملے پانے تھا کہ جن کی وساطت سے محض دائرہ اثر نہ ہی کو قائم نہ رکھا جاسکے، بلکہ وہ ایک دولت اسلامیہ میں مزید انتشار اور کشیدگی بھی پھیلائی جاسکے۔

ترکوں کی جنگ عظیم میں شکست کے بعد جزیرہ لبنان عرب میں جن طاقتوں نے مل کر قاتلی افواج کو فائدہ اٹھا کر کھینچا، مانجھ پاؤں چاٹنے شروع کر دیئے تھے، ان میں سوویت شہد کے ایک پیشرو باغیوں کا سہون کی قبیلہ بھی شامل تھا۔ جنگ عظیم کے دوران عثمانیوں کی ایک غنیہ معاہدے کے تحت انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے انگریز یہ چاہتا تھا کہ جنگ عظیم کے دوران یہ قبیلہ اپنی اپنی باتوں، حملوں، جنگوں اور مچاپوں وغیرہ سے ترکوں کا اتنا ٹکٹ کرے اور ہر سر پٹکار کے کہ مشرق وسطیٰ میں انگریز اٹلما وروں کی طرف پوری طرح دھیان نہ دے سکیں۔ اس کے عوض انگریز نے عہد کیا تھا کہ انگریزوں کی جنگ جیت گیا تو وہ پہلے پھر جزیرہ لبنان عرب پر اس خود ہی قبیلے کا تسلط قائم کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ انگریزوں کا عہد تھا تو کہ کم از کم دو طرفہ تو ضرور ہوتا ہے۔ سوویت عہد انہوں نے حجاز کے عثمانی قبیلے سے بھی کیا تھا تھا۔ اس جو چیز دونوں عرب ناموں میں مشترک تھی وہ تو انہی ترکوں کی شکست اور جزیرہ لبنان عرب سے افلا۔

بہر کیف ترکوں کی ہار کے بعد فاتح طاقتوں (اور بعد میں امریکہ) کے ایلا اور امداد پر ضروریوں نے اپنے علاقائی حریفوں کو آخر کار شکست دے کر ۱۹۲۱ء میں صوبہ نجد پر اپنی عمل داری اور ولایت کا اعلان کر دیا۔ عالمی جنگ کے اختتام، انی ترکوں نے جان کیا کہ حجاز کا نظام حجاز کے سربراہ قبیلے کے سربراہ کے سپرد کرنے کے بعد وہ حجاز میں اپنی حکومت صرف فوجی طاقت کے ذریعے قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی خلع کی صورت میں خاک حجاز پر لہو بہانا لازم نہ جائے گا اور خدا تعالیٰ کے اور دے جسے مولیٰ چلائی لاری نہ جائے گی۔ یہ کیفیت ترک لیکن اور فصلت کے بالکل برعکس تھی۔ سو کچھ عرصہ سو فی ہجاز کے بعد حجاز کی ترک گورنر کو حکم ہوا تھا، اور ترکوں نے خاندان کے گرد آغری طواف کر کے مسجد نبوی کی دلیلیز کو آغری بار چڑھا تھا اور خاک حجاز سے ہمیشہ کے واسطے چلے جیسے تھے۔ اب اہل نجد اور اہل حجاز دونوں جزیرہ لبنان عرب کے بادشاہت

کے خواباں تھے اور دونوں کو انگریز کی حمایت حاصل تھی۔

اس سیاسی خلا کو سعودیوں نے پُر کیا اور ۱۹۲۲ء میں مکے پر اور ۱۹۲۵ء میں مدینے اور جدے پر قبضہ نہانے کے بعد اس نجدی قبیلے کے سردار نے ۱۹۲۶ء میں نجد و حجاز کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہاں سے حجاز پر سعودیوں کی حکومت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور ابھی تک جاری ہے۔ آخر یہ سعودی کون ہیں؟

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے جزیرہ نما عرب کے ایک مشرقی صوبے نجد سے ان کا تعلق ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ رسول پاک ﷺ کی وراثت میں جس قبیلے نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر آپ ﷺ کے وصال مبارک کے فوراً بعد ہی جو قبیلہ اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، وہی یہی سعودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ہی کی سرکوبی کی ہے ورنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ نجد کی طرف روانہ کیا تھا اور ایک جنگ میں شکست پانے کے بعد ان میں سے کچھ پھر سے اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کے آثار ایک کھنڈروں کی صورت میں ابھی تک قائم ہیں۔ نسبیات کے جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ مسیلم بن کذاب کا تعلق بھی اسی قبیلے کی ایک مرکزی شاخ سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نسبت ناک فائدہ و مگر حجاز میں اقتدار سنبھالنے کے بعد جو بدسلوکی انہوں نے رسول پاک ﷺ کی ادا سے وابستہ تاریخ، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نظامات کے ساتھ کی ہے۔ اس سے تو بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علم نسبیات کے ماہرین کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔

پھر اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ایک شخص محمد بن عبداللہ اپنے انہی میں سر اٹھایا تو ان کی بلا سوچے سمجھے کائنات کی تلوار کو اس کی تقریر کی اور اس کی تقریر کو جس پر بار بار مایگی کی بڑبڑ کر کوئی کان نہ دھرتھا، ان کی تلوار اور شمشیرانہ خصلت کی سہارے طاقت

حاصل ہوئی، حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک محمد بن عبداللہ باب اور اس کے سعودی سر پرست کی اتنی ہمت ہوئی کہ ان دفعوں نے مل کر عالم اسلام کے ہر بادشاہ اور فرماں روا کو خطوط بھیجے۔ ان خطوط میں اور باتوں کے بعد غیب کے بند کے تلوار پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:

اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں مگر محمد ﷺ کی آفریقہ کرنے والوں کی تقسیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ " (لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفٰلِکِ)

آج تک سعودیوں کی خصلت یہی ہے۔

موجودہ وقت جمائے کے فوراً بعد ہی جو سب سے پہلا کام سعودیوں نے کیا تھا، وہ حجاز کے علاقہ مدینہ میں رسول پاک ﷺ کے نام کو کوڑے لگاتھا۔ مسجد نبوی، خانہ کعبہ کی مسجد اور اس کے ارد گرد جب ان جہاں اور جس جس عمارت اور مسجد پر حضور ﷺ کا نام نہایت ہی فخر اور محبت سے کندہ تھا، اس کو نہایت ہی جھوٹے پتوں سے مٹا دیا گیا۔ ایمان، محبت، فتنہ، خطائی اور دیگر فتنوں اہل حق کے ان نادور نمونوں پر کتبہ پڑھ کر ان کو مٹا دیا گیا اور ان پر پلستر چھپ دیا گیا۔ اکثر اوقات لوہے کی گھنٹی اور صندوقے کا استعمال بھی کیا گیا۔ اس بے مثال گستاخی کے نشانہ آج تک حجاز کے محل و مریض ہیں اور خاص طور پر کعبہ کی پوائی مسجد اور مسجد نبوی ﷺ کے در و دیوار پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کا نام نہانے کے بعد سعودیوں نے ایک باقاعدہ نظام کے تحت حیات طیبہ سے منسلک تقریر پڑھائی، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نظام واپس لائی، فتنہ و فساد کے عقیدے کا عرف و بابا، جنت معلیٰ اور جنت المصیح کے قبرستان کو جن کی بھر بھری خاک میں حضرت عبداللہ، حضرت ابوبطالہ، ورنہ بن نوفل، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علیہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن، آپ کی صاحبزادیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہن، آپ کے صاحبزادگان اور خاندانہ رسول کے دیگر افراد، اصحاب کرام اور ان کے پیارے پورے خاندان، مشائخ و ولیائے کرام، ناسوران

۱۔ مہرورہ اچھا نوس کی چہا۔ ستلوں سے محبت اور ایمان کی خاطر آنے ہوئے ان محبت گزشتہ مسلمان ستوں اور شہنشاہی سے ہوتے تھے وہ لوہے کے مٹھی میں چلا کر چھوڑا لے گئے اور پھر چٹا لکھ رہا کہ برابر کر دے کھٹے۔ بعد میں جنت الخلق کے سامنے سرگن کے ساتھ کاغذ شہدائے کرام کے حجاز سدا کے کھڑا کر دے کی نذر ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عبدالملک کے حجاز اور ارباب کے بازاری کی توسیع کے دوران رات قابیہ گروا دیا مکیہ نہ ادا کتب کا محل رہا۔ وہ وقت میں فوج کی دلیلیہ مدام ہانی کا آگن رہا اور نہ ہی وزارت کیا جاکر ان کی مہار کا زبوں کا ادا رہا اور باہام ہانی کا گھر کہ جس کے آگن میں دو وقت میں ایک دوے تھے۔ تو وہ مسجد حرام کی "توسیع" کے دوران مٹ کر بے نشان ہو چکا ہے۔ اب حضرت عبداللہ کی قبر پر تدریجی تو اس تک جا تو راستہ بھی نہ رہا کہ جس پر تو برس کا ایک بچہ آخری بار جس کی گرد پا تھا اور نہ ہی وہ پگڈنڈی رہی کہ جس پر ایک ضعیف انسان اپنی چادر میں ایک ڈرائیو بچے کو لپیٹ کر لے چلا تھا۔ ہاں! اس بے وضع تجارت کے سامنے میں بھابھاباں کے کھٹے کو گھر کو ہائی گئی ہے۔ ایک گھر اور اس کا وہ شمالی کمرہ کہ جس میں چہرہ نیوں کی ادھ میں کبھی کبھار چہار کنبیں ملتی تھیں۔ ابھی تک ہمیں موجود ہے۔ گمراہ کرنے میں غیبت سے سفیدی نہیں آئی ہے نہ ہی تیسرے چاند کے بارہویں دن مہرورہ سے پہلے ملاوت کرنے میں گھر میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کمرے کے شمال کی جانب ایک روشنی دان ضرور موجود ہے۔ گمراہ سے وہ شمال کا ستارہ نہیں دیکھ سکتے کہ متعدد منزلوں کی وہ بد وضع تجارت کہ چھٹا نہیں اور نہ ہی ملتی تھی۔ راستے میں حاصل ہے اور رہے پہلے سے تو ان کے آواز دہانے دوران تو اس شرمس کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔

اور ہاں اگر آپ اس گھر میں جس میں وہ لکھا تھا کہ کھٹے کا غور ہو جائے ہو تو کل شکوے کے نزدیک اس چٹا زین رحمت پر اللہ کا شکر ادا کرے شرم ہے۔

یہیں حضرت چٹا زین اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر اور ان کمرے کے بارے میں بھی

من لپیچے کہ جہاں اعتماد کا ایک بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ وہ کمرہ اور گھر بھی ملک مدنی سے ماہر قرآن رنگ سازوں کا اقتدار کرتے کرتے اب ایک معرکہ بزار سے گھر چکے ہیں۔

اجرت کے راستے کا نشان بنان مٹ چکا ہے۔ نئی حکومت لے سکے سے مدینے تک جانے کا تیار رہتا تھا کیا ہے۔ یہ راستہ کسے مقام پر تک سندھ کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اور وہی ہے کہ جس سے ابھیان، لشکر اسلام کی روانگی کی خبریں گراہنے لگے تو بچا کر کے کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

مدینے پہنچتے ہی انسان مسجد قبا کا رخ کرتا ہے کہ جس کے سامنے واسلے واسلے میں وہ نہایت قدیم کنواں تھا کہ جس کے پانی نے آپ ﷺ کا رخ مبارک دیکھا تھا، پھر چہرے میں ہوئے اس کنوئیں کو بھی پتھر کی بڑی بڑی سیلیں دکھ کر ہلکا کر چکا ہے۔ استفادہ پر نہایت خشکی کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مٹنی پپ ایجاد ہو چکے ہیں، اس واسطے اب اس کنوئیں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب شکست و ریخت کا یہ وحشت، تک عمل شروع ہوا تھا تو مرہ قیلے کے سردار نے ترکوں کی ہائی ہوئی گنبد حضرت والی مسجد نبوی ﷺ کو گنبد حضرت سیت مہدم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ پھر بہت بڑی بڑی اور اپنے قوتوں کی طاقتور ترین مشینیں منگوائی گئی تھیں اور پھر ایک کلو کے ستون کے شرعوات کی گئی تھیں۔ وہ وہ شکست یہ مشینیں اپنی پوری طاقت سے اس ایک ستون سے ٹکرا کر اس کو گرائے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہی تھیں مگر یہ ستون زور برابر بھی اپنی جگہ سید ہوا تھا۔ آخر اس کی جڑوں کو با وضو صاف قرآن ہنرمندوں کے ایمان، عشق اور نیت کے سیسے نے تھما لیا تھا۔ یہ کیسے اپنی جگہ سے جلتا۔ جب طاقتور ترین مشینوں کی دو لاکھ تک مسلسل کوشش کے باوجود ایک ستون بھی اپنی جگہ سے ایک انچ نہ مل سکا تھا تو مسجد نبوی کو منہدم کر دینی کوشش طوعاً و کرہاً کر دی گئی تھی۔ مسجد نبوی ﷺ کے اس ستون پر اس عمل کے شکافات آج تک موجود ہیں۔

سواہ کس کس دیکھا کہ ان کر دیں؟ کسی شخص اداں کو عقیدے کے قلب نے ملایا تو

کسی کو دل کی قلت نے اور جو نقوش ان دونوں کی گرفت میں نہ آ سکے، ان کو بے اعتنائی اور  
جہالتی میں کے تقدیر نے۔ اگر کبھی ہر مسلمان کو اس لائق ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کو کوئی  
اول تو اس پر غیر کے محبت کے بارے میں سوال کو اس لائق ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کو کوئی  
جواب دیا جائے۔ اگر کوئی مجبور کرے، تو پھر وہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی "توسیع"  
اور "شُرک"۔ کیا "توسیع" کسی اور انداز، جو صلے اور قرینے کے ساتھ نہ کی جاسکتی تھی کہ جس  
طرح ترکوں نے کی؟ اور کیا "شُرک" کو مٹانے کی طریقہ صرف یہی تھا کہ حضرت خدیجہ  
اکبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باؤ فاطمہ بیوی کے نشان کو مٹا دیا جائے؟ ۹۹۹

## شُرک کی حقیقت

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شُرک کسی کو نہ ٹھہراؤ۔ (سورۃ النساء: ۳۶)  
شیخ مفتی عبدالحق محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں: "و بالجملة هو كمال  
قسم است و وجود در خاصیت و در عبادات (ایضاً المبدأ جلد ۱ صفحہ ۷۲)  
فلا بد من مطلب یہ ہے کہ شُرک تین طرح پر ہوتا ہے ایک قبیحہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو  
واجب اور جو ٹھہرائے دوسرا یہ کہ کسی اور کو اس کے سوا حقیقی خالق جانے یا کہے، تیسرا یہ کہ  
عبادت میں طرہ خدا کی عبادت کرے یا اس کو مستحق عبادت سمجھے، اسلام میں شُرک کی صرف  
تین صورتیں ہیں۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی تحریر فرماتے ہیں۔ ۱۔ شُرک فی  
الذات یعنی عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسا کہ ٹھوی خیر اور شُرک دو مستقل  
خالق ماننے ہیں۔ ۲۔ شُرک فی الصفات یعنی بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم  
جنسیت چاہتا ہے۔ جیسا جینا ہونا، ترہ ہونا، بھائی، بھتیجا، بھانجا وغیرہ ہونا اور شُرکین عرب  
فرشتوں و ستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ۳۔ شُرک فی الافعال یعنی کہ اللہ کے بعض  
بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ ان کے بغیر کام چلا سکتا ہی  
نہیں جیسا کہ بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔

(تفسیر نعیمی، خلاصہ، ص: ۱۳۹)

در بخ بالا بحث کی روشنی میں غور کیجئے کہ آج تک کبھی مسلمان نے کسی ولی و نبوت،  
قلب یا نبی و رسول کے متعلق خواہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات القدس ہی ہو، ایسا  
اعتقاد رکھا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو شُرک ثابت کرنے  
کے لیے ایسی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مشرکین مکہ اور گفار عرب  
کے حق میں نازل ہوئیں، مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مذہبوں اور محدثوں کی متعلق فرماتے تھے "هو شرار خلق الله و قال اللهم انظروني الى ابواب لذلت لي الكفار فجعلوها علي المؤمنين" (بخاری ۱۰۴۲۱)

ترجمہ: وہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں نیز فرمایا کہ یہ لوگ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں، مسلمانوں پر پھیل کر دیتے ہیں۔ لہذا خدا کا ارادہ ہے مسلمان نمازین، فروشان، جو در حقیقت خارجیوں اور کافروں کی ترہائی کرنے میں عین شہادت بنیں نظر آتے ہیں کہ خدمت میں عرض کرتا ہے کہ کیا اللہ خدا کا خوف نہیں ہے؟ وہ لوگوں کہ کہیں ان کا عمل خیر خوں انکام عن موائد کے ذمہ میں نہ ہو جبکہ سید المرسلین، علم خوار و مستحقین اپنی بھاری امت کے متعلق دیکھا کہ میں فرماتے ہیں "اللہ کی قسم میں اپنے پیغمبر پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگ جاؤ گے" اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں: "عن عقبہ بن عامر ان النبی ﷺ خرج يوماً فقصي علي اهل احد صلواته علي الميت ثم انصرف الي الممسير فقال اني لفرط لكم وانا شهيد عليكم واني والله لا انظر الي حوضي الا و اني اعطيت مفاصل خزان الارض اومقاصب الارض و اني والله ما اخاف عليكم ان تشركوا بعدي ولكن اخاف عليكم ان تنافسوا اليها"

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۸، ۱۱۷، بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷۸، جلد ۳ صفحہ ۵۸۵، جلد ۴ صفحہ ۹۵۱، جلد ۵ صفحہ ۹۷۹، جلد ۶ صفحہ ۲۵۰، جلد ۷ صفحہ ۲۵۰، جلد ۸ صفحہ ۵۴۷، جلد ۹ صفحہ ۲۶۹، جلد ۱۰ صفحہ ۵۷۸، جلد ۱۱ صفحہ ۳۸۰، ۳۸۱، جلد ۱۲ صفحہ ۳۹، جلد ۱۳ صفحہ ۳۹، جلد ۱۴ صفحہ ۳۹، جلد ۱۵ صفحہ ۳۹، جلد ۱۶ صفحہ ۳۹، جلد ۱۷ صفحہ ۳۹، جلد ۱۸ صفحہ ۳۹، جلد ۱۹ صفحہ ۳۹، جلد ۲۰ صفحہ ۳۹، جلد ۲۱ صفحہ ۳۹، جلد ۲۲ صفحہ ۳۹، جلد ۲۳ صفحہ ۳۹، جلد ۲۴ صفحہ ۳۹، جلد ۲۵ صفحہ ۳۹، جلد ۲۶ صفحہ ۳۹، جلد ۲۷ صفحہ ۳۹، جلد ۲۸ صفحہ ۳۹، جلد ۲۹ صفحہ ۳۹، جلد ۳۰ صفحہ ۳۹، جلد ۳۱ صفحہ ۳۹، جلد ۳۲ صفحہ ۳۹، جلد ۳۳ صفحہ ۳۹، جلد ۳۴ صفحہ ۳۹، جلد ۳۵ صفحہ ۳۹، جلد ۳۶ صفحہ ۳۹، جلد ۳۷ صفحہ ۳۹، جلد ۳۸ صفحہ ۳۹، جلد ۳۹ صفحہ ۳۹، جلد ۴۰ صفحہ ۳۹، جلد ۴۱ صفحہ ۳۹، جلد ۴۲ صفحہ ۳۹، جلد ۴۳ صفحہ ۳۹، جلد ۴۴ صفحہ ۳۹، جلد ۴۵ صفحہ ۳۹، جلد ۴۶ صفحہ ۳۹، جلد ۴۷ صفحہ ۳۹، جلد ۴۸ صفحہ ۳۹، جلد ۴۹ صفحہ ۳۹، جلد ۵۰ صفحہ ۳۹، جلد ۵۱ صفحہ ۳۹، جلد ۵۲ صفحہ ۳۹، جلد ۵۳ صفحہ ۳۹، جلد ۵۴ صفحہ ۳۹، جلد ۵۵ صفحہ ۳۹، جلد ۵۶ صفحہ ۳۹، جلد ۵۷ صفحہ ۳۹، جلد ۵۸ صفحہ ۳۹، جلد ۵۹ صفحہ ۳۹، جلد ۶۰ صفحہ ۳۹، جلد ۶۱ صفحہ ۳۹، جلد ۶۲ صفحہ ۳۹، جلد ۶۳ صفحہ ۳۹، جلد ۶۴ صفحہ ۳۹، جلد ۶۵ صفحہ ۳۹، جلد ۶۶ صفحہ ۳۹، جلد ۶۷ صفحہ ۳۹، جلد ۶۸ صفحہ ۳۹، جلد ۶۹ صفحہ ۳۹، جلد ۷۰ صفحہ ۳۹، جلد ۷۱ صفحہ ۳۹، جلد ۷۲ صفحہ ۳۹، جلد ۷۳ صفحہ ۳۹، جلد ۷۴ صفحہ ۳۹، جلد ۷۵ صفحہ ۳۹، جلد ۷۶ صفحہ ۳۹، جلد ۷۷ صفحہ ۳۹، جلد ۷۸ صفحہ ۳۹، جلد ۷۹ صفحہ ۳۹، جلد ۸۰ صفحہ ۳۹، جلد ۸۱ صفحہ ۳۹، جلد ۸۲ صفحہ ۳۹، جلد ۸۳ صفحہ ۳۹، جلد ۸۴ صفحہ ۳۹، جلد ۸۵ صفحہ ۳۹، جلد ۸۶ صفحہ ۳۹، جلد ۸۷ صفحہ ۳۹، جلد ۸۸ صفحہ ۳۹، جلد ۸۹ صفحہ ۳۹، جلد ۹۰ صفحہ ۳۹، جلد ۹۱ صفحہ ۳۹، جلد ۹۲ صفحہ ۳۹، جلد ۹۳ صفحہ ۳۹، جلد ۹۴ صفحہ ۳۹، جلد ۹۵ صفحہ ۳۹، جلد ۹۶ صفحہ ۳۹، جلد ۹۷ صفحہ ۳۹، جلد ۹۸ صفحہ ۳۹، جلد ۹۹ صفحہ ۳۹، جلد ۱۰۰ صفحہ ۳۹)

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن (مدینہ سے) باہر نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی، جس طرح اسوات پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر شہر کی طرف جلوہ فرما دے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور میں اللہ کی قسم

اپنے حاضر کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام لوگوں کی کنجیاں باز میں کی کنجیاں دھن کی کنجی ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کو تلوے کی کنجی میں یہ دم ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔

قاری کرام! انجمنوں نے اس حدیث میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ میری امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی جس سے واضح ہوا کہ جو مولوی صاحبان خواہ مخواہ مسلمانوں پر آنے دن شرک کے ثبوت جڑاتے رہتے ہیں اور یہ الا پتہ رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں شرک بہت پھیل گیا ہے اور اصل وجہ غالباً یہ ہوئی ہے وہ بظاہر تو میری اور آپ کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں مگر دراصل یہ خوف حضور نبی کریم ﷺ کی اس پیشین گوئی کو سمجھ کر جو کہ حقیقت دینی اور بدعت دینی کا ثبوت دیتے ہیں ایسا وجہ ہے کہ جہاں کہیں انھیں صحیح العقیدہ دینی مسلمان نظر آتا ہے تو وہ اسے شرک کہنے سے باز نہیں آتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک حدیث نبوی کی شرح فرماتے ہوئے یہاں بیان ہے کہ ایک مسلمان کے متعلق یہ پاورتی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خدا کا شریک ٹھہرانے اور ہاں، جہاں کہیں مسلمانوں کو شرک سے روکا گیا ہے وہاں اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی عبادت میں یہ پادکاری اور کلام۔

معلوم ہوا کہ مسلمان یونانی شرک کرنے یا شرک ٹھہرانے کے متعلق ہے، جس کی تائید و توثیق جناب رسول کریم ﷺ اور امت محمدیہ کے نامور شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا جب اس پر قرآن کی رونق آجائے گی اور اسلام کی چادر اس نے اوڑھ لی ہوگی تو اسے اللہ جہنم چاھے گا، یہ کہنا ہے کہ وہ اسلام کی چادر



سے سابق نکل جائے گا اور اسے جس پر شتہ ذل و سٹ کا اور اپنے پڑوسی پر توار چلا کر شروع کر دے گا اور اسے شرک سے جہنم و منسوب کر دے گا۔ (یعنی شرک کا طوڑی لگانے کا)۔  
 (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے اپنا چھا اے اللہ کے نبی ﷺ شرک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ شرک کی تہمت لگایا وہ اپنا شرک کی تہمت لگانے والا؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک کی تہمت لگانے والا شرک کا زیادہ حق دار ہے۔ (یہ سند جدید ہے) آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں انبیاء و صلحائین، شہداء و اوصیائین کے بخش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔



